جامعہ محمدیہ عربیہ رائیدرگ کا دینی، علمی و اصلاحی ترجمان

دو ماہی

الرُّشد

محرم۔صفر ۱۴۴۳ھ
اگست۔ستمبر ۲۰۲۱ء

جامعہ محمدیہ عربیہ رائیدرگ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿لَآ إِكۡرَاهَ فِي ٱلدِّينِۖ قَد تَّبَيَّنَ ٱلرُّشۡدُ مِنَ ٱلۡغَيِّۚ﴾ [البقرة:۲۵۶]

جامعہ محمدیہ عربیہ رائیدرگ کا دینی، علمی واصلاحی ترجمان

دوماہی

الرُّشد

رائیدرگ

جلد نمبر: ۱ محرم، صفر ۱۴۴۳ھ۔ اگست، ستمبر ۲۰۲۱ء شمارہ نمبر: ۱

زیر سرپرستی

مولانا عبدالباسط جامعی ریاضی — عالیجناب سید امیر حمزہ عباس

مجلس ادارت:

شیخ ابوحمدان اشرف فیضی (مدیر مسئول)

شیخ عبدالباری جامعی مدنی (مدیر)

شیخ حافظ محمد امین عمری مدنی (نائب مدیر)

شیخ وسیم قاضی جامعی مدنی (مدیر اعزازی)

مجلس مشاورت:

شیخ عبدالوہاب عبدالعزیز جامعی

شیخ محمد انور محمد قاسم جامعی سلفی

شیخ عبدالرحیم عبدالمجید محمدی مدنی

شیخ مختار احمد تقی احمد جامعی

شیخ عبدالعظیم محمد اسماعیل جامعی

شعبۂ نشر واشاعت، جامعہ محمدیہ عربیہ، رائیدرگ

ترئین کار: حافظ محمد انس عبدالمالک رائیدرگی جامعی
rayadurgigraphics@gmail.com | +91-8885990748

بسم الله الرحمن الرحیم

آئینۂ رشد

شمارات	نگارشات	اصحاب موضوعات	صفحات
۱	**حرف رشد:** وکاس ایک بہانہ۔اسلام ہے نشانہ	مدیر	۴
۲	**رشد الھٰی:** بدشگونی۔ایک مذموم عمل	شیخ حافظ محمد امین عمری مدنی	۶
۳	**رشد نبوی:** اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے	شیخ ابوحمدان اشرف فیضی	۸
۴	اللہ کے نام سے	شیخ حافظ نذیر احمد عمری مدنی	۱۲
۵	حادثۂ کربلا۔تاریخ کے آئینے میں	شیخ عبدالباسط جامعی ریاضی	۱۶
۶	محرم الحرام کی اہمیت وفضیلت	شیخ حافظ محمد امین عمری مدنی	۲۱
۷	سعودی عرب ہی نشانے پر کیوں؟؟؟	شیخ عبدالرحمٰن محمدی مدنی	۲۵
۸	مسکراتے ہوئے ملاقات کرنا۔ایک نبوی سنت	شیخ عبدالباری جامعی مدنی	۲۹
۹	انٹرنیٹ کے فوائد ونقصانات	شیخ حافظ سیف اللہ سنابلی	۳۳
۱۰	محدث ضیاء الرحمٰن اعظمی۔تاثرات وگزارشات	شیخ عبدالرحیم محمدی مدنی، حائل	۳۷
۱۱	ذرا عمر رفتہ کو آواز دینا حضرت مولانا محمد حنیف عمری چٹرکی	شیخ محمد انور محمد قاسم سلفی، کویت	۴۲
۱۲	جامعہ کے لیل ونہار	شیخ وسیم قاضی جامعی مدنی	۶۱

ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے اتفاق ضروری نہیں۔

حرف رشد

وکاس ایک بہانہ۔اسلام ہے نشانہ

عبدالباری جامعی مدنی

مدیر

یہ بھینگی نظر کا نہ ہو شاخسانہ
کہیں پہ نگاہیں کہیں پہ نشانہ

اس پر آشوب و پرفتن دور میں ہر دن کا آفتاب ایک نئے فتنہ کی خبر لے کر طلوع ہو رہا ہے، عزت و ناموس پامال اور خونِ انساں ارزاں ہو چکا ہے، خصوصاً مسلم امہ کے لیے ہر طلوع ہونے والا سورج مصائب و مشکلات کا پیش خیمہ ثابت ہوتا جا رہا ہے، آج ایک طرف جہاں ملک عزیز میں کورونا کی وبا نے تعلیم و تربیت، ذہنی وجسمانی صحت، تجارت ومعیشت پر منفی اثر ڈالا ہے وہیں پر زعفرانی طاقتیں وکاس کے نام پر آئے دن کچھ ایسے متنازعہ قوانین وضع کر رہی ہیں جو نہ صرف فطرت اور حقوق انسانی کے منافی ہیں بلکہ ملک کی سالمیت و قومی یکجہتی کے لیے بھی خطرہ ہیں، بعض غیر دانشمند افراد کا ماننا ہے کہ ملک کی تعمیر وترقی اور معیشت کو بحال کرنے کے لیے population control (نس بندی) ایک ناگزیر اقدام ہے اور اس کے لیے بعض صوبوں میں دو سے زائد بچوں کی پیدائش پر سرکاری ملازمت اور تمام حکومتی مراعات سے محرومی کا قانون وضع کیا جا رہا ہے، یہ ایک احمقانہ اور غیر فطری عمل ہے اور نسلِ انسانی کے توازن میں رخنہ اندازی ہے، بلا شبہ اولاد اللہ تعالیٰ کی ایک بیش قیمت نعمت ہے اور اس روئے زمین پر پیدا ہونے والا ہر بچہ اپنا رزق ساتھ لاتا ہے، افزائش نسل کسی بھی پہلو سے وکاس وترقی کی راہ میں چنداں رکاوٹ نہیں ہے بس یہ ایک انتخابی ایجنڈہ ہے جس کے ذریعے ایک مخصوص قوم کو نشانہ بنانا اور لوگوں سے ووٹ بٹورنے کی اوچھی حرکت ہے۔

سرحدوں پر بہت تناؤ ہے کیا؟
کچھ پتہ تو کرو چناؤ ہے کیا؟

اسی طرح آج لو جہاد کے نام پر اسلام کی شبیہ کو مسخ کرنے کی ہشت پہلوسعی کی جا رہی ہے جبکہ اسلام نے خود لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ (ولی کے بغیر نکاح نہیں ہے) کہہ کر شادی میں لڑکی کی رضامندی کے ساتھ ساتھ ولی کی ولایت کو شرطِ اول قرار دیا ہے اور ﴿لَآ إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ﴾ [البقرة: ۲۵۶] کے فرمان کے ذریعے جبراً کسی کو اسلام میں داخل کرنے پر قدغن لگائی ہے لیکن افسوس کہ اس فرضی لو جہاد کے نام پر کئی خوشحال جوڑوں کو قلق واضطراب اور

کلفت کی بھٹی میں جھونکا جارہا ہے، حالانکہ متعدد واقعات میں خود لڑکیاں چیخ چیخ کر یہ کہتی نظر آرہی ہیں کہ ہم پر کسی قسم کا کوئی دباؤ نہیں ڈالا گیا، بلکہ ہم نے از خود راضی برضا یہ نکاح کیا ہے، مگر حیف صد حیف کہ ان کی چیخیں محض صدا بصحراء کی مصداق بن کر رہ گئی ہیں، قوم کے بااثر اور صاحبِ رسوخ مسلم تنظیموں نیز سیکولر پارٹیوں کو اس طرف توجہ دینے کی اشد ضرورت ہے اور معصوم و بے قصور مسلم بچوں کو اس جنجال سے خلاصی دلانے کی ضرورت ہے۔

چند دنوں قبل دہلی ہائے کورٹ کے جج نے ایک ہندو جوڑے کے مقدمہ کی پیروی کرتے ہوئے کہا ہے کہ اب ملک میں Uniform Civil Code (یکساں سول کوڈ) نافذ کرنے کی ضرورت ہے یعنی شادی بیاہ، طلاق، خلع اور وراثت جیسے معاملات میں تمام مذاہب کے لوگ ایک ہی قانون فالو کریں گے، تو بھی ایک غیر دانش مندانہ اور دقیانوسی فیصلہ ہے اس لیے کہ ملک عزیز ہندوستان میں سینکڑوں ذات پات و دھرم کے لوگ بستے ہیں اور ہر ایک کے اپنے مذہبی اصول وقوانین ہیں اور پھر آئین ہند کے آرٹیکل۔25 میں ہر مذہب کے پیروکار کو اپنے مذہبی عقائد واصول پر عمل درآمد کی کھلی آزادی دی گئی ہے کہ وہ اِن تمام امور میں اپنے دین و مذہب کے مطابق فیصلے لے، لہٰذا یکساں سول کوڈ نہ تو مذہبی اعتبار سے درست ہے اور نہ ہی ملکی آئین کے مطابق، اب تک ملک ہندوستان کی ساخت unity in diversity کے نام سے پوری دنیا میں معروف تھی جس کی آج شب و روز دھجیاں بکھیری جارہی ہیں، نیز نفرت آمیز بیانات کے ذریعہ ملک کی صاف وشفاف فضا کو مکدر کرنے اور گنگا جمنی تہذیب کو ختم کرنے کی ہر ممکن ناپاک کوشش کی جارہی ہے۔

پیغام: ایسے ناگفتہ بہ حالات میں ایک مسلمان کو صبر وعزیمت کے ساتھ ان احوال وکوارث سے نمٹنا چاہیے اور جذباتیت سے دور رہنا چاہیے۔

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ امت مسلمہ نے ان سے بھی سنگین حالات وظروف دیکھے ہیں اور انہیں جھیلا ہے بس آج قوم مسلم اپنے اندر غیرت ایمانی پیدا کرے اور رجوع الی اللہ کے ذریعے رب کی نصرت و تائید طلب کرے، وعدہ ربانی ہے تم خوف زدہ نہ ہو غم نہ کرو تم ہی غالب اور سربلند رہو گے اگر تم مومن رہو۔

میسر ہو اگر ایمان کامل
کہاں کی الجھنیں کیسے مسائل
حفیظ میرٹھی

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ایمانی قوت، صحت وعافیت اور دنیا میں غلبہ وسربلندی نصیب فرمائے۔ آمین۔

✪✪✪✪✪

رشد الٰہی

بدشگونی۔ایک مذموم عمل

حافظ محمد امین عمری مدنی

استاذ جامعہ

﴿قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۚ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿٤٧﴾﴾

[النمل:٤٧]

ترجمہ: وہ کہنے لگے ہم تو تیری اور تیرے ساتھیوں کی بدشگونی لے رہے ہیں آپ نے فرمایا تمہاری بدشگونی اللہ کے ہاں ہے بلکہ تم فتنے میں پڑے ہوئے لوگ ہو۔

مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کی ضدی قوم کا تذکرہ کیا ہے، جب صالح علیہ السلام اپنی قوم ثمود کے پاس آئے اور اللہ کی رسالت ادا کرتے ہوئے انہیں دعوت توحید دی تو ان میں دو فریق بن گئے، ایک جماعت مومنوں کی اور دوسری جماعت کافروں کی، صالح علیہ السلام نے متکبر جماعت سے کہا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے تم بجائے رحمت کے عذاب مانگ رہے ہو، تم استغفار کرو تا کہ رحمت کا نزول ہو مگر قوم کا جواب یہ تھا: ہمارا تو یقین ہے ہماری تمام مصیبتوں کا باعث تم اور تمہارے ماننے والے ہیں۔

ہر دور میں کافر قوم کی یہی عادت سیئہ رہی ہے کہ وہ نبی اور اہل ایمان سے بدشگونی لیا کرتے تھے، فرعونیوں نے موسی علیہ السلام سے کہا تھا: ہمیں جو برائیاں پہنچیں ہیں یہ سب تیری اور تیرے ساتھیوں کی وجہ سے ہے، ﴿وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ۚ﴾ [الأعراف: ١٣١] اور اگر ان کو کوئی بدحالی پیش آتی تو موسی علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی نحوست بتلاتے، یہاں تک کہ آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق بھی قریشیوں کا یہی تصور تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۚ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا﴾ [النساء:٧٨] اور اگر انہیں کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر انہیں کوئی برائی پہنچتی ہے تو کہتے یہ تیری طرف سے ہے انہیں کہہ دو یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے، انہیں کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات سمجھنے کے بھی قریب نہیں ہے۔

بدشگونی اور بدفالی جاہلیت کے اعمال میں سے ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جاہلی عمل سے روکا اور اسے شرکیہ عمل قرار دیا، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: الطیرة شرك

الطيرة شرك ثلاثا، وما منا إلا ولكن الله يذهبه بالتوكل [ابوداؤد: ۳۹۱۰] بدشگونی شرک ہے تین بار فرمایا اورہم میں سے ہرایک کوکوئی نہ کوئی وہم ہوجاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اسے توکل کی برکت سے زائل کردیتا ہے۔

زمانہ جاہلیت میں لوگ اکثر اشخاص، احداث، زمان، مکان، مسموعات، معلومات، مرئیات اور حیوانات وغیرہ میں نحوست ہونے کا تصور اور عقیدہ رکھتے تھے، آج یہی عقیدہ بعض مسلمانوں میں بھی پایا جاتا ہے جبکہ یہ ایک غیر شرعی اور شرکیہ عقیدہ ہے، کائنات میں سوائے اللہ کے نفع ونقصان کا حق کوئی نہیں رکھتا، سارا تصرف اللہ کے ہاتھ میں ہے اور وہ دینا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا اور اگر وہ روکنا چاہے تو کوئی دے نہیں سکتا اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: **لا عدوى ولا طيرة ولا هامة ولا صفر** [بخاري: ۵۷۵۷] نہ کوئی بیماری خود بخود متعدی ہوتی ہے اور نہ ہی کسی چیز میں نحوست ہے اور نہ ہی الّو سے بدشگونی لی جائے اور نہ ہی صفر کا مہینہ منحوس ہے۔

حدیث مذکور میں صفر کے مہینے کا ذکر ہوا ہے اس لیے کہ اہل عرب ماہ صفر کو منحوس سمجھتے تھے اور آج بھی بعض لوگ اس مہینے سے بدشگونی لیتے ہیں، خوشی اور خیر کے کام کو انجام نہیں دیتے شادی بیاہ نہیں کرتے اور کاروبار وغیرہ کی ابتداء کرنے سے بھی اجتناب کرتے ہوئے طرح طرح کے توہمات میں مبتلا رہتے ہیں حالانکہ تقدیر کے فیصلے میں زمان ومکان کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا، حدیث میں جن چار چیزوں کی تردید کی گئی ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ توکل واعتماد صرف اللہ پر ہو اور اگر کسی میں توہم یا بدشگونی کا تصور پیدا ہو تو اس کی وجہ سے اپنے کام کو معطل نہ کرے بلکہ اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے کام کو نمٹا دے، معاویہ بن حکم السلمی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا گیا کچھ کام ایسے تھے جو ہم زمانۂ جاہلیت میں کیا کرتے تھے ہم کاہنوں کے پاس جاتے تھے، آپ نے فرمایا تم کاہنوں کے پاس نہ جایا کرو میں نے عرض کیا ہم بدشگونی لیتے تھے، آپ نے فرمایا: **ذاك شيء يجده أحدكم في نفسه، فلا يصدنكم** [مسلم: ۵۸۱۳] یعنی بدشگونی محض ایک خیال ہے جو کوئی انسان اپنے دل میں محسوس کرتا ہے تو یہ تمہیں کسی کام سے نہ روکے الغرض بدشگونی ناپسندیدہ فعل ہے اس سے انسان شرک میں مبتلا ہوتا ہے اگر کسی میں کبھی یہ تصور پیدا ہو تو چاہیے کہ فوراً توبہ کرے اور اس کا کفارہ ادا کرے اس کا کفارہ یہ ہے: ”**اللَّهُمَّ لَا طَيرَ إِلَّا طَيْرُكَ، وَلَا خَيرَ إِلَّا خَيْرُكَ، وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ**“ یہ دعا پڑھی جائے۔

اللہ تعالیٰ ہم تمام کو باطل عقائد سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

رشد نبوی

اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے

ابوحمدان اشرف فیضی

ناظم جامعہ

عن أمير المؤمنين أبي حفصٍ عمرَ بن الخطاب رضي الله عنه قال: سمعتُ رسول الله ﷺ يقول: إنما الأعمال بالنيات، وإنما لكل امرئ ما نوى، فمن كانت هجرته إلى الله ورسوله فهجرته إلى الله ورسوله، ومن كانت هجرته لدنيا يصيبها أو امرأةٍ ينكحها فهجرته إلى ما هاجر إليه۔

ترجمہ: امیر المومنین ابوحفص عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی، پس جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہوگی تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے شمار ہوگی اور جس کی ہجرت دنیا کمانے یا کسی عورت سے شادی کرنے کے مقصد سے ہوگی تو اس کی ہجرت اسی مقصد کے لیے شمار ہوگی۔

تخریج: صحیح البخاری: کتاب بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ: ۱، صحيح مسلم: كتاب الإمارة، باب قوله ﷺ إنما الأعمال بالنية: ۱۹۰۷، سنن أبي داؤد: كتاب الطلاق، باب فيما عني به الطلاق والنيات: ۲۲۰۱، سنن الترمذي: أبواب فضائل الجهاد عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء فيمن يقاتل رياء وللدنيا: ۱۶۴۷، سنن النسائي: كتاب الطهارة، باب النية في الوضوء: ۷۵، سنن ابن ماجه: كتاب الزهد، باب النية: ۴۲۲۷، مسند أحمد: مسند عمر بن الخطاب رضي الله عنه: ۱۶۸، المؤطا: ۹۸۳، صحيح الترغيب: ۱۰۔

سبب ورود: بعض احادیث میں اس حدیث کا سبب ورود یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے ام قیس نامی عورت کو نکاح کا پیغام بھیجا، اس نے اس وقت تک نکاح کرنے سے انکار کردیا جب تک وہ ہجرت نہ کرے، چنانچہ انہوں نے اس کی اس شرط کی وجہ سے ہجرت کی اور وہاں جاکر دونوں کا نکاح ہوگیا، صحابہ کرام میں ان کا نام ہی مہاجر ام قیس مشہور ہوگیا [المعجم الکبیر: ۱۰۳/۹] یہ واقعہ سند کے اعتبار سے صحیح ہے، جیسا کہ بہت سے علماء نے اس حدیث پر صحت کا حکم لگایا ہے:

۱۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: هذا اسناد صحيح على شرط الشيخين [فتح الباري: ۱۶/۱]

۲۔ علامہ مزی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: هذا إسناده صحيح [تهذيب الكمال: ۱۲۶/۱۶]

۳۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن منصور کے ترجمہ کے تحت اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد کہا:

اسنادہ صحیح [سیر أعلام النبلاء: ۱۰/۵۹۰]

۴۔ علامہ ہیثمی نے کہا: رواہ الطبراني في الكبير ورجاله رجال الصحيح: ۲/۱۰۱، اسی وجہ سے بہت سے علماء نے اس واقعے کو اس حدیث کا سبب ورود بتایا ہے، مثلاً: امام ابن دقیق العید نے إحكام الأحكام شرح عمدة الأحكام: ۱/۱۱ میں اور امام سیوطی نے تدريب الراوي في شرح تقريب النواوي: ۲/۲۹۲ میں ذکر کیا ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ میں مختلف مقامات پر اس واقعے کو اس حدیث کا سبب ورود بتایا ہے، ملاحظہ ہو: [مجموع الفتاوی: ۱۸/۲۵۳، ۲۰/۲۲۲، ۲۷/۴۷]

لیکن دیگر محققین نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا: مہاجر ام قیس کا واقعہ سند کے اعتبار سے صحیح ہے مگر کسی بھی روایت میں اس بات کی صراحت نہیں ہے کہ اسی واقعے کے پس منظر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حدیث بیان کی، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعے کو ذکر کرنے کے بعد کہا: وهذا إسناد صحيح على شرط الشيخين، لكن ليس فيه أن حديث الأعمال سيق بسبب ذلك، ولم أر في شيء من الطرق مايقتضي التصريح بذلك [فتح الباري: ۱/۱۰]

یہ حدیث صحیح ہے مگر اس میں کہیں اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ اس کا سبب ورود یہی ہے اور نہ کسی بھی روایت میں اس کی صراحت ہے۔ اسی طرح حافظ ابن رجب حنبلی نے بھی اس کا انکار کیا ہے اور کہا کہ: یہ بات مشہور ہے کہ مہاجر ام قیس کا واقعہ اس حدیث کا سبب ورود ہے اور بہت سے متاخرین علماء نے اپنی کتابوں میں اسے ذکر بھی کیا ہے، لیکن اس کی کوئی اصل نہیں ہے، فرمایا: وقد اشتُهر أن قصة مهاجر أم قيس هي كانت سبب قول النبي صلى الله عليه وآله وسلم: من كانت هجرته إلى دنيا يصيبها أو امرأة ينكحها، وذكر ذلك كثير من المتأخرين في كتبهم، ولم نرَ لذلك أصلاً يصح [جامع العلوم والحكم: ۱۴] بکر بن عبد اللہ ابو زید کا بھی یہی موقف ہے: [التأصيل: ۱/۷۳]

اس حدیث کا مقام ومرتبہ: ائمہ ومحدثین کے نزدیک یہ حدیث انتہائی مہتم بالشان ہے، بلکہ یہ حدیث ان احادیث میں سے ایک ہے جن پر اسلام کا مدار ہے، اس کی عظمت کو ثابت کرنے کے لیے ذیل کی سطور میں علمائے کرام کے چند مشہور اقوال ذکر کیے جارہے ہیں:

۱۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس حدیث کی قدر ومنزلت متعدد ائمہ ومحدثین سے منقول ہے، امام ابو عبد اللہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ليس في أخبار النبي صلى الله عليه وآله وسلم شيء أجمع وأغنى وأكثر فائدة من هذا الحديث [فتح الباري: ۱/۱۴] نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث میں اس سے جامع اور اس قدر فوائد پر مشتمل کوئی دوسری حدیث نہیں ہے۔

۲۔عبد الرحمٰن بن مہدی، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، علی بن مدینی، امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام دارقطنی، حمزہ کنانی رحمۃ اللہ علیہم جیسے کبار محدثین نے اس حدیث کو ثلث اسلام قرار دیا ہے [فتح الباري: ۱/۱۱]

۳۔امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اسلام کے اصول تین احادیث پر قائم ہیں: ۱) حدیث عمر: إنما الأعمال بالنيات، ۲) حديث عائشه: من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد، ۳) حديث نعمان بن بشير: الحلال بين والحرام بين [فتح الباري: ۱/۱۱، طرح التثريب: ۲/۵]

۴۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: هذا الحديث ثلث الاسلام ويدخل في سبعين بابا من الفقه، یہ حدیث ایک تہائی علم ہے اور فقہ کے ستر ابواب اس میں داخل ہیں [فتح الباري: ۱/۱۴، شرح صحيح مسلم للنووي: ۷/۴۸، طرح التثريب: ۲/۵، شرح الأربعين لإبن دقيق العيد: ۱۲]

۵۔حافظ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حدیث: إنما الأعمال بالنيات، باطنی اعمال کے لیے میزان ہے اور حدیث: من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد، ظاہری اعمال کے لیے میزان ہے، جس طرح اخلاص کے بغیر کیا جانے والا عمل مقبول نہیں ہوتا ہے اسی طرح اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے بغیر کیا جانے والا عمل مردود ہوتا ہے [جامع العلوم والحكم: ۱/۱۷۶]

۶۔امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: أجمع المسلمون على عِظَم موقع هذا الحديث، وكثرة فوائده، وصحته اس حدیث کے عظیم الشان اور کثیر الفوائد ہونے اور اس کی صحت پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے [شرح صحيح مسلم للنووي: ۱۳/۴۷]

۷-عبد الرحمٰن بن مہدی فرماتے ہیں: ينبغي لكل من صنف كتابًا أن يبتدئ فيه بهذا الحديث؛ تنبيهًا للطالب على تصحيح النية، ہر عالم کے لیے مناسب ہے کہ وہ اپنی تصنیف کا آغاز اس حدیث سے کرے، طالب علم کو تصحیح نیت پر متنبہ کرنے کے لیے [شرح الأربعين النووية لابن دقيق العيد: ۳] مزید فرماتے ہیں: يدخل في ثلاثين بابا من العلم، یہ حدیث علم کے تیس ابواب کو شامل ہے، اور فرمایا: ينبغي أن يجعل هذا الحديث رأس كل باب، مناسب ہے کہ اس حدیث کو ہر باب کا نقطۂ آغاز بنایا جائے [فتح الباري: ۱/۱۴]

۸-اس حدیث کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگا سکتے ہیں کہ ائمہ کرام اور محدثین عظام نے تصحیح نیت کے لیے اس حدیث سے اپنی مصنفات کے آغاز کا اہتمام کیا ہے، جیسا کہ امام المحدثین امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی الصحيح کا آغاز اسی حدیث سے کیا ہے، اسی طرح امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی دو کتابوں شرح السنة اور مصابيح السنة کا، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تین کتابوں: الأذكار، الأربعين النووية اور رياض الصالحين

کا، اسی طرح امام عبدالغنی المقدسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب: عمدة الأحكام من كلام خير الأنام کا۔

اہم فوائد حدیث:

١) یہ حدیث دین کے اصولوں میں سے ایک اصل ہے، اس کا شمار جوامع الکلم میں ہوتا ہے۔

٢) یہ حدیث باطنی اعمال کے لیے میزان ہے۔

٣) تمام اعمال وعبادات میں نیت شرط ہے، اس کے بغیر کسی عمل کا شمار نہیں ہوگا، بلکہ تمام اعمال میں نیت کو روح کی حیثیت حاصل ہے، بغیر صالح نیت کے عمل بے جان ہے۔

٤) اعمال کی صحت اور جزاء کا دارومدار نیت پر ہے، نیت کے مطابق ہی اجروثواب حاصل ہوگا، اس لیے ہر عمل میں نیت صالحہ کا استحضار ہونا چاہئے۔

٥) عبادات اور عادات میں تمیز نیت ہی سے ہوتی ہے۔

٦) ہجرت کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔

٧) فهجرته إلى ما هاجر إليه، حدیث کے اس جزء سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن بیان اور بلاغت کلام کا اثبات ہوتا ہے، اس طرح سے کہ دنیا یا عورت کی خاطر ہجرت کرنا ایسا حقیر عمل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے قابل ذکر نہیں سمجھا اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہجرت کرنا ایسا مبارک وعظیم عمل ہے کہ آپ نے اسے ذکر کیا۔

٨) تعلیم وتربیت میں مثالوں کو ذکر کرنے کی اہمیت، جیسا کہ آپ نے ہجرت اور دنیا کی مثال دے کر صالح نیت کی اہمیت اور فاسد نیت کی سنگینی کو واضح کیا۔

٩) لوگوں کو عورتوں کے فتنے سے ڈرانا، اس فتنے کی خطرناکی کی وجہ سے آپ نے الگ سے اس کا ذکر کیا، جبکہ دنیا کی مثال میں وہ بھی شامل تھا۔

١٠) نیت نام ہے قصد وارادہ کا، اس کا محل دل ہے، اس لیے زبانی نیت بدعت ہے۔

١١) بعض عبادات کا آغاز مشروع اذکار سے لفظوں میں ثابت ہونا، اس سے زبانی نیت کے جواز پر استدلال نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ ذکر ہے نہ کہ نیت۔

١٢) ہمیشہ اپنی نیتوں کا جائزہ لیتے رہنا چاہئے اور اپنے آپ کو ریا ونمود کے جذبات سے پاک رکھنا چاہئے، کیونکہ اخلاص نیت نفس انسانی پر مشکل ترین چیز ہے۔

١٣) صالح نیت صالح عمل میں ہو، کیونکہ اگر عمل صالح نہ ہو تو نیت کی درستی سے کوئی فائدہ نہیں۔

اللہ کے نام سے

حافظ نذیر احمد عمری مدنی

استاذ جامعہ

اللہ رب العزت کا بڑا فضل واحسان ہے کہ اس نے اپنے بندوں کی نجات وکامیابی کے لیے مختلف نیک اعمال بتلائے ہیں تاکہ بندہ ان کو اپنا کر دنیا وآخرت میں سرخروئی حاصل کرسکے، انہیں نیک اعمال میں ایک عمل ’’بسم اللہ‘‘ کا ورد بھی ہے شریعت میں بسم اللہ کی بڑی اہمیت آئی ہے اس کی اہمیت کا اندازہ ہم اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ قرآن مجید میں ۱۱۴ ر مرتبہ یہ کلمہ وارد ہے اور نزولِ قرآن کا آغاز بھی اسی سے ہوا ہے، چنانچہ نبی ﷺ سے کہا گیا: ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۚ﴾ [العلق: ۱] (اے محمد ﷺ) پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔

’’بسم اللہ‘‘ یہ الفاظ ادائیگی کے اعتبار سے ہلکے اور مختصر ہیں لیکن تاثیر معنوی اور اجر وثواب کے اعتبار سے بڑے قیمتی ہیں، ہر وہ کام جو اللہ کے نام سے شروع کیا جائے اس میں بڑی خیر وبرکت ہوتی ہے اور جس کام میں اللہ کا نام نہ لیا جائے وہ کام یکسر خیر وبرکت سے محروم ہوتا ہے اللہ کے نام سے کاموں کا آغاز کرنا انبیاء کی بھی سنت رہی ہے، حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر جب طوفانی عذاب آیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ۭ﴾ [ھود: ۴۱] اللہ کا نام لے کر اِس (کشتی) میں سوار ہو جاؤ اس کا چلنا بھی اور رکنا بھی (اللہ کے نام سے ہے)

اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب قوم سبا کی طرف اپنا پیغام لکھ بھیجا تو اس کی ابتداء بھی اللہ کے بابرکت نام سے ہی کی، چنانچہ قرآن مجید نے اس کا تذکرہ یوں فرمایا ہے: ﴿اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۳۰ۙ﴾ [النمل: ۳۰] وہ (خط) سلیمان کی طرف سے ہے اور مضمون یہ ہے کہ شروع کرتا ہوں اللہ کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے، پیارے نبی ﷺ کی بھی یہ سنت رہی ہے کہ آپ ﷺ جب بھی کوئی کام کرتے تو اس کی ابتداء بسم اللہ سے فرماتے آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے بغرض دعوت وتبلیغ مختلف بادشاہوں کی طرف خطوط لکھے تو ان تمام کا آغاز بسم اللہ ہی سے کیا، نیز آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے: كلُّ أمرٍ ذي بالٍ لم يُبدأُ فيه ببسمِ اللهِ فهو أبتَرُ [مجموع فتاویٰ ابن باز: ۱۳۵/۲۵، ضعفه بعض أهل العلم والأقرب أنه من باب الحسن لغيره] ہر اچھے کام کا آغاز اگر اللہ کے نام سے نہ کیا جائے تو وہ ادھورا اور ناقص ہے، کتاب وسنت میں جہاں

بسم اللہ کی اہمیت وفضیلت بتائی گئی ہے وہیں اس کی کیفیت اور پڑھنے کی جگہیں بھی بتائی گئی ہیں۔

بسم اللہ پڑھنے کی کیفیت: جہاں کہیں پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم مکمّل پڑھنا ثابت ہے وہاں مکمّل پڑھی جائے جیسے قرآن مجید کی سورتوں کے آغاز میں، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صرف بسم اللہ پڑھنا ثابت ہے وہاں اسی پر اکتفا کیا جائے گا جیسے وضوء اور کھانے کی ابتداء میں، جہاں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بسم اللہ کے ساتھ مزید الفاظ کا اضافہ کر کے پڑھنا ثابت ہو وہاں انہیں مسنون اضافے کے ساتھ پڑھی جائے۔

بسم اللہ پڑھنے کے مقامات:

۱۔ قرآن مجید پڑھنے سے پہلے: ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ①﴾ [العلق: ١] (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔

۲۔ کھانے سے پہلے، دلیل: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمر بن ابوسلمہ سے کہا: يا غُلامُ، سَمِّ اللهَ، وكُلْ بيَمِينِكَ [بخاری: ٥٣٧٦] اے بچے! بسم اللہ پڑھ لیا کر، داہنے ہاتھ سے کھایا کر۔

۳۔ وضوء سے پہلے: لَا وُضوءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللهِ تَعَالَى عَلَيْهِ [أبو داؤد: ١٠١] جو شخص وضو کے شروع میں اللہ کا نام نہ لے یعنی بسم اللہ نہ پڑھے اس کا وضو نہیں۔

۴۔ پینے سے پہلے: وَسَمُّوا إِذَا أَنْتُمْ شَرِبْتُمْ، وَاحْمَدُوا إِذَا أَنْتُمْ رَفَعْتُمْ [ضعيف الترمذي: ١٨٨٥] جب پیو تو بسم اللہ کہو اور جب منہ سے برتن ہٹاؤ تو الحمد للہ کہو۔

۵۔ گھر میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت: إذا وَلَجَ الرَّجلُ بَيْتَهُ فلْيَقُلْ: اللَّهمَّ إنِّي أسألُكَ خيرَ المَوْلَجِ، وَخيرَ المَخْرَجِ، باسمِ اللهِ وَلَجنا، وباسمِ اللهِ خَرَجنا، وَعَلَى اللهِ رَبِّنا تَوَكَّلْنا، ثُمَّ لِيُسَلِّمْ عَلَى أَهْلِهِ [أبو داؤد: ٥٠٩٦، حسنه شعيب الأرناؤط] جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہونے لگے تو چاہیے کہ یہ دعا پڑھے: ”اللهم إني أسألك خير المولج وخير المخرج بسم الله ولجنا وبسم الله خرجنا وعلى الله ربنا توكلنا“ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ (ہمارا) آنا خیر کا ہو اور نکلنا (بھی) خیر کا ہو، اللہ کے نام سے ہم داخل ہوئے اور اللہ ہی کے نام سے باہر نکلے اور اپنے رب اللہ پر ہم نے توکل کیا، پھر اپنے گھر والوں کو سلام کہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: يُستحبّ أن يقول إذا دخلَ بيتَه: باسم الله، وأن يكثرَ من ذكر الله تعالى، وأن يسلّمَ سواء كان في البيت آدميّ أم لا، لقول الله تعالى: ﴿فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِكُمْ تَحِیَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَیِّبَةً ؕ﴾ [انتهى من الأذكار: ٢٣، النور: ٦١]

یہ مستحب ہے کہ انسان جب گھر میں داخل ہوتو بسم اللہ کہے اور بکثرت اللہ کا ذکر کرے نیز دخول کے وقت سلام کرے خواہ گھر پر کوئی ہو یا نہ ہو اس لیے کہ یہی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

۶۔خطوط و صلح نامے لکھتے وقت: صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے کاتب کو بلوایا اور فرمایا: لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: قَالَ سُهَيْلٌ: أَمَّا الرَّحْمَنُ، فَوَ اللهِ مَا أَدْرِي مَاهو وَلَكِنِ اكْتُبْ بِاسْمِكَ اللَّهُمَّ كما كُنْتَ تَكْتُبُ، فَقَالَ المُسْلِمُونَ: وَاللهِ لا نَكْتُبُهَا إِلَّا بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، فَقَالَ النبيُّ صَلَّى اللهُ عليه وسَلَّمَ: اكْتُبْ بِاسْمِكَ اللَّهُمَّ [بخاری: ۲۷۳۱] سہیل کہنے لگا رحمٰن کو اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ وہ کیا چیز ہے، البتہ تم یوں لکھ سکتے ہو باسمك اللهم جیسے پہلے لکھا کرتے تھے مسلمانوں نے کہا کہ قسم اللہ کی ہمیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے سوا اور کوئی دوسرا جملہ نہ لکھنا چاہیے، لیکن آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ باسمك اللهم ہی لکھنے دو۔

۷۔مسجد میں داخل ہوتے وقت اور نکلتے وقت: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ يَقُولُ: بِاسْمِ اللهِ، وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللهِ، اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي، وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ، وَإِذَا خَرَجَ قَالَ: بِاسْمِ اللهِ، وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللهِ، اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي، وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ فَضْلِكَ [ابن ماجه: ۷۷۱] رسول اللہ ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تھے تو فرماتے تھے: بِسْمِ اللهِ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللهِ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِى ذُنُوبِى وَافْتَحْ لِى أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ، اللہ کے نام سے داخل ہوتا ہوں، اور اللہ کے رسول پر سلام ہو، اے اللہ! میرے گناہ بخش دے اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے، اور جب (مسجد سے) باہر تشریف لاتے تو فرماتے تھے: بِسْمِ اللهِ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللهِ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِى ذُنُوبِى وَافْتَحْ لِى أَبْوَابَ فَضْلِكَ، اللہ کے نام سے باہر نکلتا ہوں اور اللہ کے رسول پر سلام ہو، اے اللہ! میرے گناہ بخش دے اور میرے لیے اپنے فضل کے دروازے کھول دے۔

۸۔گھر کے دروازے بند کرتے وقت اور برتنوں کو ڈھانپنے وقت: اللہ کا نام لے کر اپنا دروازہ بند کرو اللہ کا نام لے کر اپنا چراغ بجھادو، پانی کے برتن اللہ کا نام لے کر ڈھک دو اور دوسرے برتن بھی اللہ کا نام لے کر ڈھک دو [بخاري: ۳۲۸۰]

۹۔ بیت الخلاء جاتے وقت: سَتْرُ مَا بَيْنَ أَعْيُنِ الْجِنِّ وَعَوْرَاتِ بَنِي آدَمَ، إِذَا دَخَلَ أَحَدُهُمُ الْخَلَاءَ أَنْ يَقُولَ: بِاسْمِ اللهِ [ترمذي: ۶۰۶] جنوں کی آنکھوں اور انسان کی شرمگاہوں کے درمیان کا پردہ یہ ہے کہ جب ان میں سے کوئی پاخانہ جائے تو وہ بسم اللہ کہے۔

۱۰۔سوتے وقت: إِذَا أَوَى أَحَدُكُمْ إِلَى فِرَاشِهِ، فَلْيَنْفُضْ فِرَاشَهُ بِدَاخِلَةِ إِزَارِهِ، فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي

مَا خَلَفَهُ عَلَيْهِ، ثُمَّ يَقُولُ: بِاسْمِكَ رَبِّ وَضَعْتُ جَنْبِي وَبِكَ أَرْفَعُهُ، إِنْ أَمْسَكْتَ نَفْسِي فَارْحَمْهَا، وَإِنْ أَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهِ عِبَادَكَ الصَّالِحِينَ [بخاري: ۶۳۲۰]

۱۱۔ ازدواجی تعلقات قائم کرتے وقت: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا أَتَى أَهْلَهُ قَالَ: بِاسْمِ اللّٰهِ، اللَّهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ، وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا، فَإِنْ قَضَى اللّٰهُ بَيْنَهُمَا وَلَدًا لَمْ يَضُرَّهُ الشَّيْطَانُ [ترمذی: ۱۰۹۲] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس آئے یعنی اس سے صحبت کرنے کا ارادہ کرے اور یہ دعا پڑھے: بِسْمِ اللّٰهِ اللَّهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا (اللہ کے نام سے، اے اللہ! تو ہمیں شیطان سے محفوظ رکھ اور اسے بھی شیطان سے محفوظ رکھ جو تو ہمیں عطا کرے یعنی ہماری اولاد کو) تو اگر اللہ نے ان کے درمیان اولاد دینے کا فیصلہ کیا ہوگا تو شیطان اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

۱۲۔ جانور ذبح کرتے وقت: ﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ﴾ [الأنعام: ۱۲۱] اور ایسے جانوروں میں سے مت کھاؤ جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور یہ کام نافرمانی کا ہے [بخاری: ۵۵۰۰]

۱۳۔ رقیہ ودم کرتے وقت: كَانَ إِذَا اشْتَكَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَقَاهُ جِبْرِيلُ، قَالَ: بِاسْمِ اللّٰهِ يُبْرِيكَ، وَمِنْ كُلِّ دَاءٍ يَشْفِيكَ، وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ، وَشَرِّ كُلِّ ذِي عَيْنٍ [مسلم: ۲۱۸۵] جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہوتے تو جبریل علیہ السلام آپ کو دم کرتے، وہ کہتے: اللہ کے نام سے، وہ آپ کو بچائے اور ہر بیماری سے شفا دے اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے اور نظر لگانے والی ہر آنکھ کے شر سے (آپ کو محفوظ رکھے)

۱۴۔ صبح وشام کے ذکر کے ساتھ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کوئی بھی بندہ ہر دن صبح وشام کے وقت تین مرتبہ یہ دعا پڑھے: بسم الله الذي لا يضر مع اسمه شيء في الأرض ولا في السماء وهو السميع العليم تو اسے کوئی بھی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی [ترمذي: ۳۳۸۸]

۱۵۔ میت کو قبر میں اتارتے وقت: میت کو قبر میں داخل کرتے وقت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا پڑھتے تھے: بِاسْمِ اللّٰهِ، وَبِاللّٰهِ، وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ [ترمذی: ۱۰۴۶]

مذکورہ تمام باتوں سے پتا چلا کہ بسم اللہ کی بڑی اہمیت اور اونچا مقام ومرتبہ ہے نیز یہ کاموں میں خیر و برکت کا ذریعہ ہے اس سے بندہ اللہ کی حفظ وامان میں آتا ہے سرکش جن وشیاطین سے حفاظت ہوتی ہے انسان حادثوں اور بلاؤں سے محفوظ رہتا ہے، لہٰذا ہم تمام کو اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس بابرکت کلمہ کی اہمیت کو سمجھ کر اس کا اہتمام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حادثۂ کربلا۔ تاریخ کے آئینے میں

مولانا عبدالباسط جامعی ریاضی
یم۔اے۔عثمانیہ، رائیدرگ

۴۰ھ میں اہل عراق نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو خلیفہ بنایا، معاویہ رضی اللہ عنہ فوج لے کر آئے تو اہل عراق میدان چھوڑ کر بھاگ گئے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی، اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشن گوئی صحیح ثابت ہوئی کہ میرا یہ بیٹا سید ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرادے گا، صلح کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ نے امام حسن کے تمام شروط کو قبول کرلیا، معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لیے عام بیعت ہوئی، حسن اور حسین رضی اللہ عنہما نے بھی بیعت کی، یہ صلح ربیع الاول ۴۰ھ میں ہوئی اس سال کو عام الجماعت کہتے ہیں، معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکمت عملی، سیاست، دانشمندی اور مراعات کے ساتھ ہر ایک کا خیال رکھتے ہوئے ۲۰/سال حکومت کی، ان کے دور خلافت میں ملک میں امن رہا اور فتوحات کا سلسلہ بھی شروع ہوا، انہوں نے مدینہ منورہ کے بجائے دمشق کو دار الخلافہ بنایا، جو ملک شام کا قدیم ترین شہر ہے ان کی حکومت کامیاب رہی۔

۶۰ھ میں خلافت، ملوکیت میں بدل گئی معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند یزید رحمۃ اللہ علیہ کو جانشیں بنایا اور اس کے لیے بیعت لی، بیعت کے لیے مدینہ منورہ گئے، سب لوگوں نے بیعت کی مگر عبداللہ بن زبیر، حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما و دیگر اعیان مدینہ بیعت سے انکار کر کے مکہ مکرمہ چلے گئے، مکہ مکرمہ میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت قائم کر لی، معاویہ رضی اللہ عنہ بیمار ہو کر یکم رجب ۶۰ھ مطابق ۷/اپریل ۶۸۰ء کو انتقال کر گئے، ضحاک بن قیس نے ان کی وفات کا اعلان کیا اور نماز جنازہ پڑھائی اور وہ دمشق میں ہی دفن کیے گئے۔

حسین رضی اللہ عنہ یزید رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت سے انکار کر کے مکہ آئے تو ان کے پاس لوگوں کا اژدھام رہتا تھا، ادھر عراق والوں کو معلوم ہوا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا ہے اور خلافت یزید رحمۃ اللہ علیہ کے لیے بیعت ہو رہی ہے تو انہوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو ڈیڑھ سو خطوط لکھے کہ آپ تشریف لائیں آپ کو خلیفہ مانتے ہیں، حسین رضی اللہ عنہ نے پہلے اپنے بھائی مسلم بن عقیل کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی، یزید رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے مغیرہ بن شعبہ کو معزول کر کے عبید اللہ بن زیاد کو عراق کا گورنر بنایا، عبید اللہ بن زیاد نے مسلم بن عقیل کے حامیوں کو منتشر کیا اور محمد بن اشعث کو مسلم بن عقیل کی گرفتاری کے لیے بھیجا، مسلم بن عقیل نے محمد بن

اشعث سے کہا ابن زیاد مجھے ضرور قتل کرے گا تم میرا ایک کام کرو تو مہربانی ہوگی، تم حسین رضی اللہ عنہ کو میرے حال سے مطلع کر دینا اور لکھ دینا کہ وہ ہرگز یہاں نہ آئیں اور روانہ ہوگئے ہیں تو راستے سے واپس چلے جائیں، کوفہ والے اعتماد کے قابل نہیں، ان کے فریب میں آکر اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالیں، محمد بن اشعث نے کہا میں ایسا کروں گا اس نے وعدہ کے مطابق حسین رضی اللہ عنہ کو ایسا خط لکھ دیا، ابن زیاد نے مسلم اور ان کے ساتھی ہانی کو قتل کر دیا، حسین رضی اللہ عنہ کو مکہ میں جب مسلم کا خط ملا تو وہ کوفہ چلنے کے لیے تیار ہو گئے خیر خواہوں نے ان کو منع کرنا شروع کیا لیکن حسین رضی اللہ عنہ ان کی خیر خواہی کا شکریہ ادا کرتے رہے اور رخصت کرتے رہے، حسین رضی اللہ عنہ جب کوفہ چلنے کے لیے تیار ہو گئے تو ان کے خیر خواہ اور صحابہ کرام نے ان کو عراق جانے سے روکا، اس کے عواقب اور انجام سے آگاہ کیا، مگر حضرت علی کی طرح وہ جو رائے قائم کر چکے تھے اس پر ڈٹے رہے تمام ناصحین کو شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا۔

۱۔ سب سے پہلے عبد الرحمٰن بن حارث آئے، کہا کہ مجھے معلوم ہوا کہ آپ کوفہ جا رہے ہیں، سنو میرے نزدیک آپ کا عراق جانا خطرے سے خالی نہیں۔ کوفہ میں بنو امیہ کا گورنر موجود ہے۔ جس کے ہاتھ میں فوج اور خزانہ ہے اور آپ جانتے ہیں کہ لوگ روپیئے پیسے کہ غلام ہوتے ہیں کیا آپ کوفہ والوں سے خلافت کی بیعت لیں گے تو کیا یزید رحمۃ اللہ علیہ اور شامی فوج خاموش بیٹھی رہے گی، کچھ عجب نہیں کہ جن لوگوں نے آپ کو بلایا ہے وہی آپ سے لڑنے کے لیے آجائیں حسین رضی اللہ عنہ نے ان کی خیر خواہی کا شکریہ ادا کیا اور رخصت کیا۔

۲۔ حَبر الامت حضرت عبد اللہ بن عباس بھی پہنچے اور کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کا ارادہ کوفہ جانے کا ہے، حسین رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں آج سے کل تک روانہ ہو جاؤں گا، حضرت ابن عباس نے کہا میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کیا اہل کوفہ نے وہاں کے گورنر کو نکال کر اپنا قبضہ کر لیا ہے اگر ایسا نہیں ہے تو جو لوگ آپ کو بلا رہے ہیں در حقیقت وہ جنگ کے لیے بلا رہے ہیں، امراء اور عمال کے ہوتے ہوئے کوئی شخص آپ کا ساتھ نہیں دے سکتا بلکہ مجھے تو یہ خطرہ ہے کہ وہی لوگ جو آپ کے طرفدار ہیں، وعدہ خلافی اور بے وفائی کریں گے اور خود آپ کے مقابلہ میں لڑنے کے لیے آئیں گے حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اللہ سے استخارہ کروں گا۔

۳۔ دوسرے دن پھر عبد اللہ بن عباس حسین رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور ان کو بہت سمجھایا کیوں کہ وہ حضرت علی کی خلافت کے زمانے میں بصرہ کوفہ کے گورنر رہ چکے تھے، انہوں نے کہا کہ ہر چند میں اپنے دل کو سمجھاتا ہوں لیکن کسی طرح صبر نہیں آتا، میں دیکھتا ہوں جو ارادہ آپ نے کیا ہے اس میں کسی طرح آپ کی جان سلامت نہیں رہ سکتی اہل عراق نہایت بے وفا ہیں، ان کے فریب میں نہ آیئے، اگر آپ جانا ہی چاہتے ہیں تو

پہلے ان لوگوں کو جنہوں نے آپ کو طلب کیا ہے لکھئے کہ کوفہ کے امیر کو نکال دیں اور وہاں کی فوج کو اپنے قبضہ میں لے لیں اس وقت جایئے، دوسرا آپشن یہ ہے کہ بجائے عراق کے یمن کی طرف تشریف لے جائیں وہاں آپ کے والد کے بہت سے مددگار رہتے ہیں اور کثرت سے قلعے اور پہاڑ ہیں اور وہ ایک وسیع ملک ہے، ہر طرف اپنے مبلغ بھیجئے اور سرداروں سے مراسلت کیجیے، وہاں کامیابی کی زیادہ امید ہے اور سب سے بہتر تو یہ ہے کہ اہل حجاز آپ کو سردار مانتے ہیں یہیں قیام کیجیے لیکن حسین رضی اللہ عنہ نے ان کی کسی بات کو منظور نہیں کیا اور عراق کی روانگی پر مصر رہے، حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا کہ میں آپ کے اونٹ کے آگے اس سفر سے روکنے کے لیے لیٹ جاتا لیکن میں جانتا ہوں کہ آپ پھر بھی نہیں مانیں گے، کم از کم اتنا تو کیجئیے کہ اہل وعیال کو ساتھ نہ لے جایئے مجھے ڈر ہے کہ جس طرح حضرت عثمان اپنے بچوں کے سامنے قتل کیے گئے کہیں آپ کا بھی یہی حال نہ ہو، حسین رضی اللہ عنہ نے ان کے کسی مشورے کو قبول نہ فرمایا اور مع اہل وعیال کوفہ روانہ ہو گئے۔

۴۔ راستہ میں عربی کے مشہور شاعر فرزدق سے ملاقات ہوئی، وہ کوفہ سے آ رہا تھا اس سے وہاں کی کیفیت پوچھی اس نے شاعرانہ جواب دیا، اہل کوفہ کے دل آپ کی طرف ہیں لیکن ان کی تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں، اور جس کے پاس تلواریں ہوتی ہیں اسی کی حکومت ہوتی ہے۔

۵۔ جب ذرا اور آگے بڑھے تو مدینہ سے عبداللہ بن جعفر کا قاصد دوڑتا ہوا آیا اور ان کا خط دیا، عبد اللہ بن جعفر نے لکھا تھا کہ آپ کو اللہ کی قسم دلاتا ہوں کہ پلٹ آیئے اسی کے ساتھ مدینہ کے گورنر کا خط بھی منسلک تھا کہ آپ مدینہ میں آ کر رہیں آپ کو امان ہے لیکن حسین رضی اللہ عنہ نے واپسی سے انکار کر دیا۔

۶۔ چند منزلوں بعد عبداللہ بن مطیع ملے جو عراق سے مکہ کو آ رہے تھے انہوں نے بھی کہا کہ میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں واپس چلیے اور عراقیوں کے فریب میں نہ آیئے، بنی امیہ سے اگر آپ خلافت لینے کی کوشش کریں گے تو آپ قتل کر دئے جائیں گے، اس کے بعد کسی ہاشمی کسی عرب اور کسی مسلمان کے قتل میں ان کو باک نہ ہوگا، لہٰذا آپ خود اپنے کو ہلاکت میں ڈال کر قریش کی حرمت اور اسلام کی حرمت نہ مٹایئے، مگر حسین رضی اللہ عنہ نے ان کی بات نہ سنی۔

۷۔ مقام ثعلبہ میں پہنچ کر محمد بن اشعث کی تحریر اور مسلم بن عقیل کے قتل کی خبر ملی، اس وقت ان کے بعض ہمراہوں نے کہا کہ اب جانا لاحاصل ہے، کیوں کہ کوفہ میں کوئی حامی اور مددگار ہم کو نہیں مل سکتا، بلکہ خوف ہے کہ جو وقت مسلم پر آیا وہی ہم پر بھی نہ آئے، یہ سن کر عقیل کے بیٹے بگڑ کر بولے ہرگز منہ نہیں پھیر سکتے، یا تو مسلم کا بدلہ لیں گے یا انہی کی طرح جان دے دیں گے اس لیے یہ قافلہ آگے بڑھا، اس وقت

حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے سابقہ تجربوں کی بنیاد پر صحیح فیصلہ لینا چاہئے تھا مگر وہ آگے بڑھتے ہی گئے، غیر قریش لوگ رفتہ رفتہ ساتھ چھوڑتے گئے، صرف خاص کنبہ کے لوگ جو جاں نثار تھے ساتھ رہ گئے۔

۶۱ھ ۲/محرم کو مقام شراف میں حر بن یزید رحمۃ اللہ علیہ تمیمی نے اپنی فوج کے ساتھ آپ کو گھیر لیا اور کربلا کی طرف لے آیا، پھر عمرو بن سعد ایک فوج کے ساتھ آیا اور کربلا میں مقابلہ کے لیے تیار ہو گیا، اس کے بعد ابن زیاد نے عمرو بن سعد کو فرمان بھیجا کہ حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے یزید رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت پیش کرو، اگر وہ بیعت کر لیں گے تو پھر جو حکم ہم مناسب سمجھیں گے دیں گے اگر نہ کریں تو ان کے قافلہ کا پانی بند کر و پھر شمر ذی الجوشن کو بھی ایک دستہ فوج دے کر بھیجا، حسین رضی اللہ عنہ فوجیوں سے کہتے تھے جہاں سے ہم آئے ہیں وہاں واپس جانے دو یا کسی سرحد کی طرف جانے دو، لیکن ابن زیاد نے کہا کہ سوائے میرے حکم کی تعمیل کے اور کوئی صورت نہیں، جب ہمارے چنگل میں آچکے ہیں تو بچ کر جا نہیں سکتے، حسین رضی اللہ عنہ کب اس کو گوارا کر سکتے تھے۔

۶۲ھ آخر ۱۰/محرم الحرام کو کربلا کے میدان میں جنگ ہوئی، ایک طرف حسین رضی اللہ عنہ کے ۸۰/ہمراہیوں کی مختصر سی جماعت تھی، دوسری طرف عراقی فوج تھی۔ جس میں ایک بھی شامی فوج نہ تھا انہی غدار عراقیوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ آنے کی دعوت تھی بہت تھوڑے عرصہ میں لڑائی کا فیصلہ ہو گیا، حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے ۷۱/ہمراہی مقتول ہوئے ابن سعد کے ۸۸/آدمی مارے گئے، اہل عراق حسین رضی اللہ عنہ کے سر کو اور ان کی خواتین کو اور علی بن حسین رضی اللہ عنہما کو جو مریض تھے ابن زیاد کے محل میں اس کے سامنے لے گئے اس نے ان سب کو عراقی روساء کے ساتھ دمشق روانہ کیا۔

۶۲ھ ۲۰/محرم کو جب یزید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچے تو اس کو یہ کیفیت دیکھ کر بہت رنج ہوا آنکھوں میں آنسو بھر آئے، پھر کہا ابن زیاد پر اللہ کی لعنت ہے، میں اگر اس کی جگہ ہوتا تو درگزر سے کام لیتا، پھر اپنے درباریوں اور اہل عراق کی طرف متوجہ ہوا اور کہا تم جانتے ہو حسین کیوں اس حال کو پہنچے، یہ کہتے تھے کہ میرا باپ یزید رحمۃ اللہ علیہ کے باپ سے بہتر، میری ماں یزید رحمۃ اللہ علیہ کی ماں سے بہتر، میرے نانا یزید رحمۃ اللہ علیہ کے نانا سے بہتر اور میں خود یزید رحمۃ اللہ علیہ سے بہتر اور خلافت کا زیادہ حقدار ہوں، میرے اور ان کے باپ کے درمیان میدان صفین میں جو فیصلہ ہوا وہ دنیا جانتی ہے باقی رہیں اُن کی والدہ وہ فاطمہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھیں، امت میں کونسی عورت ہے جو ان کے درجہ کو پہنچ سکتی ہے اور اُن کے نانا جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے، جن کو ہر ایک مسلم تمام انبیاء سے افضل کہتا ہے لیکن جو کچھ ہوا ان کے اس اجتہاد کی وجہ سے ہوا کہ جس کے باپ دادا بہتر ہوں وہی خلیفہ ہو، حالانکہ انہوں نے قرآن مجید کی اس آیت کا خیال نہیں کیا کہ: ﴿اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ

تَشَآءُ﴾ [آل عمران: ۲۶] اے اللہ تو ہی ملک کا مالک ہے جس کو چاہتا ہے سلطنت دیتا ہے۔

اس کے بعد اہل بیت کا یہ لٹا ہوا قافلہ یزید رحمۃ اللہ علیہ کے محل میں لایا گیا، اس کے گھر کی عورتیں ان کے پاس جمع ہوئیں بہت روئیں اور تین دن تک ماتم کرتی رہیں، چند دنوں کے بعد یزید رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو ہر طرح کا ساز وسامان دیکر مدینہ کو رخصت کیا، جو کچھ اُن کا مالی نقصان ہوا تھا اس سے دگنا دیا اور چلتے وقت علی بن حسین سے کہا کہ جو تم کو ضرورت پیش آئے براہ راست مجھے لکھنا میں پوری کروں گا۔

حکومت وسیادت کے لیے حکمت عملی وسیاست کی ضروت ہوتی ہے اور حکومت کرنے والے خلیفہ یا بادشاہ میں دس صفات ہونی چاہئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمایا کہ ہم کسی عہدہ طلب کرنے والے کو عہدہ نہیں دیں گے، اہل بیت اگر چہ تقوی وطہارت میں پاکیزگئ نفس، خلوص وللّٰہیت میں، عبادات وریاضات میں بے مثال تھے مگر حکومت حاصل کرنا نہیں جانتے تھے، بنوامیہ کو حکومت وسیادت وراثت میں ملی تھی، ان کے ۱۳۰ر سال بعد بنو عباس انڈر گراؤنڈ ہو کر خلافت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے، حادثۂ کربلا کے بعد بھی بعض آل علی نے موجودہ حکومتوں کے خلاف خروج کیا مگر شکست کھا گئے یا توقتل کیے گئے یا سولی پر چڑھائے گئے۔

۶۲ھ حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ۱۰ر محرم کو ہوئی یہ دن یہودیوں کے پاس بہت ہی بابرکت دن ہے کیوں کہ اسی دن اللہ نے حضرت موسی اور بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم وستم سے نجات دیکر سمندر پار کرایا تھا اسی لیے یہ لوگ ۱۰ر محرم کو روزہ رکھتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی یہ روزہ رکھا، جب رمضان کے روزہ فرض ہوئے تو یہ روزہ نفل ہو گیا، لیکن ۱۰ر محرم کو حسین رضی اللہ عنہ ابن زیاد کے ظلم وستم سے نہ بچائے گئے، اس وقت کربلا میں کسی بڑے معجزے کی ضرورت تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ کے ساتھ معجزے ختم ہو گئے تھے اسی لیے کوئی معجزہ ظاہر نہ ہو سکا کیوں کہ جو اللہ چاہتا ہے یا ارادہ کرتا ہے وہی ہوتا ہے۔

یفعل اللہ ما یرید و یجعل اللہ ما یشاء۔

حضرت علی اور حسین رضی اللہ عنہما دونوں موحد تھے، شرک وبدعت سے متنفر تھے مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مزار کوفہ میں اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی قبر کربلا میں ہے، دونوں درگاہوں پر سالانہ عرس ہوتا ہے، لاکھوں زائرین آتے ہیں، ان کو مشکل کشا، حاجت روا سمجھ کر ان کے نام کی دہائی دیتے ہیں، اسی طرح بھارت میں بریلوی لوگ محرم کے تازیانے نکال کر شرک، بدعت میں بری طرح ملوث ہیں، فاتحہ خوانی ہوتی ہے اور غیر اللہ کی پوجا ہوتی ہے۔

محرم الحرام کی اہمیت وفضیلت

حافظ محمد امین عمری مدنی

استاذ جامعہ

اللہ تعالیٰ نے سال کے بارہ مہینے مقرر کیا ہے، جب سے آسمان وزمین کو پیدا کیا، اسی دن سے مہینوں کی تعداد بارہ بنایا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ﴾ [التوبة: ۳۶] یقیناً اللہ تعالیٰ کے پاس مہینوں کی تعداد بارہ ہے اور یہ اسی دن سے ہے جب سے آسمان وزمین کو اس نے پیدا فرمایا تھا ان میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں یہی درست اور صحیح دین ہے تم ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم وستم نہ کرو۔

حرمت والے مہینوں سے مراد: حرمت والے مہینوں سے مراد یہ ہے کہ ان مہینوں میں جنگ وجدال ظلم وزیادتی نہ کی جائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ۖ﴾ [البقرة: ۲۱۷] وہ تجھ سے حرمت والے مہینہ سے متعلق اس میں لڑائی کے بارے میں پوچھتے ہیں تم کہہ دو اس میں لڑنا بہت بڑا (گناہ) ہے، قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: بلاشبہ اللہ نے اپنی مخلوق میں سے کچھ کو اختیار کر کے چن لیا ہے، فرشتوں میں سے بھی پیغمبر چنے اور انسانوں میں سے بھی رسول بنائے، کلام سے اپنا ذکر چنا اور زمین سے مساجد اختیار کیے، مہینوں میں رمضان المبارک اور حرمت والے مہینے چنے، ایام میں جمعہ کا دن اختیار کیا اور راتوں میں لیلۃ القدر، لہٰذا جسے اللہ نے تعظیم دی ہے تم بھی اس کی تعظیم کرو [تفسیر ابن کثیر، سورۃ توبہ: ۳۶]

ماہ محرم حرمت والا مہینہ: ماہ محرم ہجری سال کا پہلا مہینہ ہے اور یہ ان حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے جن کا ذکر سورۃ توبہ میں ہوا ہے، صحیح بخاری میں ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سال کے بارہ مہینے ہیں جن میں سے چار حرمت والے ہیں: تین مسلسل ہیں، ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور ایک جمادی اور شعبان کے درمیان رجب کا مہینہ ہے جسے رجب المضر کہا جاتا ہے [بخاری: ۲۹۵۸] اس حدیث سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالی اسلامی سال کا آغاز بھی حرمت والے مہینے سے کیا اور اس کا اختتام بھی حرمت والے مہینے پر کیا، ماہ محرم کی عظمت اس کے نام ہی سے واضح ہوتی ہے کیوں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے شهر الله المحرم کہا یعنی اللہ کا حرمت بخشا ہوا مہینہ جب کہ سبھی مہینے اللہ ہی کے ہیں مگر

خصوصیت کے ساتھ اس کو اللہ کا حرمت والا مہینہ بتا کر اس کی عظمت وفضیلت واضح کی گئی ہے۔

ماہ محرم دیگر امتوں کی نظر میں: احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ماہ محرم کی اہمیت اور فضیلت مسلمانوں کے علاوہ دنیا کی دیگر قوموں کے نزدیک بھی رہی ہے اہل عرب یہود ونصاریٰ محرم کی دسویں تاریخ کی تعظیم کرتے تھے اور اس دن کے روزے کا خاص اہتمام کیا کرتے تھے، سنن ابی داؤد میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہیں: **كان يوم عاشوراء يوماً تصومه قريشٌ في الجاهلية وكان رسول الله يصومه في الجاهليه** [أبو داؤد: ۲۴۴۲] زمانہ جاہلیت میں قریش عاشوراء کا روزہ رکھا کرتے تھے اور رسول اکرم بھی دور جاہلیت میں اس کی پابندی کیا کرتے تھے سنن ابو داؤد ہی میں ایک دوسری روایت وارد ہے جس میں یہود ونصاری کا ذکر کیا گیا ہے: **إنه يومٌ تعظمه اليهود و النصارى** [أبو داؤد: ۲۴۴۵] یہ وہ دن ہے جس کی یہود اور نصاریٰ تعظیم کیا کرتے ہیں۔

ماہ محرم اور روزوں کا اہتمام: ماہ محرم کی حرمت اور تعظیم کا لحاظ کرتے ہوئے اس میں کثرت سے روزہ رکھنا چاہئے اس لیے کہ روزہ انسان کو جنگ وقتال ظلم وزیادتی اور ہر طرح کی معصیت سے روکتا ہے، اسی لیے احادیث میں ماہ محرم کے روزوں سے متعلق بڑی فضیلت آئی ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک شخص نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ رمضان کے بعد سب سے افضل روزے کون سے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: **شهر الله الذي تدعونه المحرم** [ابن ماجه: ۱۷۴۲] اللہ کے مہینے کے روزے جسے تم محرم کے نام سے یاد کرتے ہو، ایک اور حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **أفضل الصيام بعد رمضان شهر الله المحرم** [مسلم: ۱۹۸۲] رمضان کے بعد افضل ترین روزے اللہ کا مہینہ محرم الحرام کے ہیں، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپ رمضان کے علاوہ کسی بھی مہینے کے مکمل روزے نہیں رکھے، لہٰذا اس حدیث کو محرم میں کثرت سے روزہ رکھنے پر محمول کیا جائے گا نہ کہ پورے محرم کے روزے رکھنے پر۔

عاشوراء کا روزہ اور اس کی فضیلت: محرم الحرام کی دسویں تاریخ کو یوم عاشوراء کہا جاتا ہے، جہاں محرم الحرام میں کثرت سے روزے رکھنے کی فضیلت بتائی گئی ہے وہیں اس کی دسویں تاریخ کو روزہ رکھنے پر خاص توجہ دلائی گئی ہے، احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی بننے سے پہلے بھی اور نبی بننے کے بعد بھی عاشوراء کے روزے کا اہتمام کیا کرتے تھے، عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: **كان رسول الله** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **يصومه في الجاهلية** [ابو داؤد: ۲۴۴۲] یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دور جاہلیت میں اس کی پابندی کرتے تھے ابن عباس رضی اللہ عنہما

فرماتے ہیں: ما رأيت النبي ﷺ يتحرى صيام يوم فضله على غيره الا هذا اليوم يوم عاشوراء و هذا الشهر يعني شهر رمضان [بخاري: ۲۰۰۶] میں نے رسول اکرم کو یوم عاشورہ اور رمضان المبارک کے روزوں سے بڑھ کر کسی بھی روزے کا اہتمام کرتے ہوئے نہیں دیکھا، مدینہ میں یہود عاشوراء کے دن کا روزہ رکھتے تھے تو اللہ کے رسول ﷺ نے ان کی مخالفت میں عاشوراء کے ساتھ ایک اور روزہ رکھنے کا حکم دیا، واقعہ یہ ہے کہ جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ آئے تو دیکھا کہ یہود عاشوراء کا روزہ رکھتے ہیں آپ کے دریافت کرنے پر انہوں نے کہا کہ یہ ایک تاریخی دن ہے اس دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو فرعون کے ظلم وستم سے نجات دلائی اور فرعون اور اس کی قوم کو سمندر میں غرق کردیا تو موسیٰ علیہ السلام نے شکریہ کے طور پر اس دن روزہ رکھا ہم بھی ان کی اتباع میں روزہ رکھتے ہیں جب آپ کو عاشوراء کے روزے کی حقیقت معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا: فنحن احق و اولي بموسي منكم فصامه و أمر بصيامه [مسلم: ۱۹۱۱] یعنی موسیٰ کی پیروی کے تم سے زیادہ حقدار ہم ہیں پھر آپ نے اس دن روزہ رکھا اور اپنے اصحاب کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا جب آپ نے صحابہ کو عاشوراء کے روزے کا حکم دیا تو صحابہ نے کہا کہ یہ وہ دن ہے جس کی تعظیم یہود ونصاریٰ کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا ہم آئندہ سال نویں تاریخ کو بھی روزہ رکھیں گے اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہود کی مخالفت میں نویں تاریخ کا بھی روزہ رکھا جائے گا، اسی لیے بعض علماء نے عاشوراء کا روزہ رکھنے کی چار صورتیں بتائی ہے، (۱) ۱۰ رمحرم کا روزہ، (۲) ۹-۱۰ رمحرم کا روزہ، (۳) ۱۰-۱۱ رمحرم کا روزہ، (۴) ۹-۱۰-۱۱ رمحرم کا روزہ، مگر اس میں دوسرا قول زیادہ صحیح اور بہتر ہے اور اکثر احادیث اسی پر دلالت کرتی ہیں [زادالمعاد: ۲/۷۶] عاشوراء کا روزہ بڑا ہی فضیلت والا ہے اس روزے کے ثواب میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: احتسب على الله ان يكفر السنة التي قبله [مسلم: ۱۹۷۶] مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس روزے کی وجہ سے پچھلے ایک سال کے گناہ معاف فرمائے گا۔

ماہ محرم اور ہجرت رسول ﷺ: دارالکفر سے دارالامن کی طرف ہجرت کرنا ایک عظیم عبادت ہے، جو دین وایمان کی حفاظت میں ہجرت کرے اس کے لیے بہتر ٹھکانہ اور آخرت میں اجر عظیم کی خوشخبری سنائی گئی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِن بَعْدِ مَا ظُلِمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾﴾ [النحل: ۴۱] جن لوگوں نے ظلم برداشت کرنے کے بعد اللہ کی راہ میں ترک وطن کیا ہے ہم انہیں بہتر سے بہتر ٹھکانہ دنیا میں عطا فرمائیں گے اور آخرت کا ثواب تو بہت بڑا ہے کاش کہ لوگ اس سے واقف ہوتے۔

رسول اکرم ﷺ بعثت کے بعد تیرہ سال تک دعوتی فریضہ انجام دیتے رہے، اس دوران آپ پر بہت

ساری صبر آزما گھڑیاں ٹوٹ پڑیں، کفار مکہ نے آپ کو ستایا، پریشان کیا، جسمانی وذہنی تکلیف پہنچائی مگر جب بھی آپ دل برداشتہ ہوئے اللہ تعالی نے آپ کو تسلی دی کبھی ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ [الأحقاف: ۳۵] کے ذریعہ صبر کی تلقین کی تو کبھی پچھلی قوموں کے واقعات ذکر کرکے دل کے بوجھ کو ہلکا کیا اور جب آپ کے چچا ابو طالب کا انتقال ہوا تو کفار مکہ کی ایذارسانی اور زیادہ ہوگئ تو اللہ تعالی نے آپ کو مدینہ ہجرت کرنے کا حکم دیا تاکہ مدینہ اسلام کا مرکز بنے اور حق کو غلبہ حاصل ہو لہذا اللہ کے رسول ﷺ نے مدینہ ہجرت کرنے کا ارادہ ماہ محرم میں کیا تھا اور صفر کے مہینے میں ہجرت کی گئی اور ربیع الاول کے مہینے میں آپ مدینہ پہنچے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ ہجرت کرکے مدینہ ربیع الاول کے مہینے میں پہنچے مگر اسلامی سال کی ابتدا ربیع الاول کے بجائے محرم سے کی گئی اس لیے کہ ہجرت کرنے کا عزم محرم میں ہوا تھا کیوں کہ بیعت عقبہ ثانیہ ذوالحجہ میں ہوئی تھی اور یہی بیعت ہجرت کا پیش خیمہ بنی چنانچہ بیعت اور ہجرت کا پختہ ارادہ کرنے کے بعد سب سے پہلا چاند جو طلوع ہوا وہ محرم کا تھا اسی لیے ماہ محرم کو ہجری سال کا پہلا مہینہ قرار دیا گیا۔

ھجری کیلنڈر کا آغاز: عمر رضی اللہ عنہ کے عہد سے پہلے کوئی ہجری کیلنڈر نہیں تھا جس کی وجہ سے خلافتی امور کی انجام دہی میں دشواری ہونے لگی کہا جاتا ہے کہ ایک شخص نے عمر رضی اللہ عنہ کے پاس دعویٰ دائر کیا اور اس کے آخر میں لکھا تھا کہ اس کی ادائیگی کا وقت شعبان ہے اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے استفسار کیا اس شعبان سے مراد کون سا شعبان ہے امسال کا؟ یا سال گذشتہ کا؟ یا آئندہ سال کا؟ اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کو جمع کیا اور تاریخ مقرر کرنے کا مشورہ لیا تو صحابہ نے مختلف مشورے دیے ان میں ایک مشورہ یہ بھی تھا کہ آپ کی ہجرت سے اسلامی سال کی ابتداء کی جائے تو عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ نے اس مشورہ کو پسند کیا اور اسلامی سال کی ابتداء کے لیے ہجرت کے سال کا انتخاب کیا اور اس کا پہلا مہینہ محرم قرار پایا [البدایہ والنھایہ: ۳/۲۵۱-۲۵۳] صحیح بخاری میں سہیل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں اسلامی سال کی ابتداء صحابہ کرام نے آپ ﷺ کی بعثت سے نہیں کی اور نہ ہی آپ کی وفات سے بلکہ انہوں نے آپ ﷺ کی مدینہ آمد پر اسلامی سال کی بنیاد رکھی [بخاری: کتاب مناقب النصار، باب التاریخ من این أرخوا التاریخ: ۳۹۳۴]

خلاصہ کلام: محرم الحرام بڑا ہی عظمت اور فضیلت والا مہینہ ہے اس کی حرمت کا لحاظ کرنا اور اس میں ہر طرح کی معصیت سے اجتناب کرنا ضروری ہے مگر بعض مسلمانوں نے اس حرمت والے مہینے کو بدعات وخرافات اور تعزیہ وماتم کا مہینہ بنا دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم تمام کو ماہ محرم کی تعظیم کرنے اور معصیت سے اجتناب کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

سعودی عرب ہی نشانے پر کیوں؟

عبدالرحمٰن محمدی مدنی
استاذ جامعہ

پچھلے کچھ سالوں سے عالم اسلام میں جو افراتفری، بدامنی اور فتنہ وفساد کا ماحول ہے یقیناً یہ سارے مسلمانوں کے لیے بہت ہی زیادہ تشویش کا باعث ہے، مسلسل جنگوں نے مسلمانوں کا جینا دوبھر کردیا ہے عراق، شام، یمن، افغانستان، فلسطین اور برما وغیرہ میں مسلمانوں کے حالات کافی خراب ہیں، چین اور دیگر ممالک کے حالات بھی مسلمانوں کے لیے بالکل سازگار نہیں ہیں، ملک شام کے ظالم حکمران بشارالاسد نے لاکھوں مسلمانوں کا قتل عام کیا اور ظلم کی ساری حدیں توڑتے ہوئے انسانیت کو شرمندہ کردیا، لاکھوں مسلمان بے گھر ہو کر ہجرت کرنے پر مجبور ہوگئے اور ادھر ترکی نے بھی شامی کردوں پر حملہ کرکے ظلم واستبداد کی ایک نئی تاریخ رقم کی ہے اور اسرائیلی حملوں میں ہر سال ہزاروں کی تعداد میں معصوم فلسطینی مسلمان مارے جاتے ہیں اور غزہ سمیت دیگر بستیوں کی ہزاروں عمارتیں زمین بوس ہوتی ہیں ملک یمن میں بھی ایران نواز حوثی دہشت گردوں کی بغاوت نے اس ملک میں جو تباہی مچا رکھی ہے وہ سب کے سامنے عیاں ہے، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ مکہ، جدہ اور سعودی عرب کے دیگر شہروں پر میزائلی حملوں کے ذریعے وہ کھلم کھلا اسلام دشمنی کا ثبوت دے رہے ہیں اور مسلمانوں کو نشانہ بنا رہے ہیں اور ادھر چین وبرما سمیت کئی ممالک میں مسلمانوں کے لیے حالات کافی بدتر ہو چکے ہیں۔

الغرض ہر جگہ مسلمان ہی صیہونی، صلیبی اور رافضی دہشت گردوں کے ظلم واستبداد کے نشانے پر ہیں، ان حالات نے مسلمانوں میں تشویش واضطراب کی کیفیت پیدا کردی ہے، یقیناً ان سب حالات کی وجوہات جو بھی ہوں وہ اپنی جگہ مسلم ہیں اس کا انکار نہیں، مگر جب بھی مسلمانوں کے لیے حالات کشیدہ ہو جاتے ہیں تو ساری دنیا کے رافضیت، صوفیت اور اخوانیت کے پجاری مملکت سعودی عرب ہی کو نشانہ بناتے ہیں، ہر چہار جانب سے اس پر یلغار ہوتی ہے، سوشل میڈیا میں جھوٹے الزامات کا ایک طوفان امنڈ پڑتا ہے، مساجد کے منبروں سے سعودی حکومت پر کفر ونفاق کے فتوے داغے جاتے ہیں اور اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی دھمکیاں بھی دی جاتی ہیں، رب تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝٨﴾ [الصف: ۸] وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے

بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچانے والے ہیں گو کافر برا مانیں۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

ایسے حالات میں مملکت توحید کی تائید کرنا اور بلاد حرمین کی طرف سے دفاع کرنا ہمارا دینی فریضہ ہے اور اہل توحید کی تائید کرنا بھی توحید کا اہم تقاضہ ہے، جب ہم حالات اور حقائق کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دشمنانِ اسلام وتوحید کی سعودی عرب سے دشمنی کی اصل وجوہات درج ذیل ہیں:

توحید کی علمبرداری اور شرک وبدعات کا سدِباب: سعودی عرب دنیا کا وہ واحد اور مثالی ملک ہے جہاں توحیدِ خالص کو بطور عقیدہ تسلیم کیا جاتا ہے اور وہاں کی آب وہوا شرک وبدعات کی آلودگی سے پاک ہے اور یہ سعودی عرب کا طرۂ امتیاز ہے کہ جہاں بچپن ہی سے اپنے ابناء کو علم توحید سے آراستہ کیا جاتا ہے اور عقیدۂ توحید کی نشر واشاعت کے لیے ہمہ قسم کے وسائل بھی فراہم کیے جاتے ہیں، ملک کے تمام مساجد میں توحید کے موضوع پر خطبات ودروس کا اہتمام اور دنیا کی سینکڑوں زبانوں میں عقیدۂ توحید پر مشتمل کتابوں کی مفت تقسیم، جرائد، اخبار، مجلّات، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ کے ذریعے توحید کے لٹریچر کو عام کرنا، مدارس وکالجوں میں عقیدۂ توحید پر مشتمل کتابوں کو شامل نصاب بنانا اور مختلف یونیورسٹیوں میں دنیا کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے لاکھوں طلباء کو عقیدۂ توحید کی تعلیم دے کر انہیں توحید خالص کی نشر واشاعت کے لیے اپنے ممالک کی طرف بھیجنا اور حج وعمرہ پر تشریف لانے والے حجاج کے عقائد کی اصلاح یہ سعودی حکومت کی قابل تحسین کوشش ہے، اہل توحید کی مملکت توحید سے محبت اور اہل شرک وبدعت کی نفرت کی اصل وجہ یہی ہے، اس موقع سے شیخ عبدالعزیز بن باز رحمۃ اللہ علیہ کے ایک جملہ کا ذکر ضروری ہے جو کافی اہمیت کا حامل ہے "العداء لهذه الدولة عداء للتوحيد" اس ملک سے دشمنی عقیدۂ توحید سے دشمنی ہے۔

رافضی اور تحریکی طاقتوں پر پابندی: حقائق اس بات پر شاہد ہیں کہ رافضی اور تحریکی طاقتوں کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کو کافی نقصان اٹھانا پڑا، عالم اسلام کی جو حالیہ صورت حال ہے اس کے اہم ذمہ دار یہی رافضی اور تحریکی ہیں رافضیوں کے نزدیک مسلمانوں کو قتل کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ وہ اسے دینی فریضہ بھی سمجھتے ہیں، اسی لیے شام، یمن، ایران اور دیگر ممالک میں بے رحمی سے مسلمانوں کا قتل کر رہے ہیں اور تحریکی بھی معصوم عوام کو حکومتوں کے خلاف بغاوت پر ابھار کر مختلف ممالک میں جنگ کا ماحول پیدا کر کے لاکھوں کی تعداد میں مسلمانوں کا جانی ومالی نقصان کا سبب بنے ہوئے ہیں، اسی وجہ سے سعودی

حکومت نے ہمیشہ ہی سے فتنہ وفساد کو روکنے اور بلاد حرمین میں خوشگوار امن کا ماحول قائم کرنے کے لیے تحریکی اور رافضی طاقتوں کو کمزور کیا اور ان پر پابندیاں عائد کیں بغاوت واحتجاج کا ماحول بنا کر فتنہ وفساد برپا کرنے والے کئی رہنماؤں کو قید بھی کیا۔

حال ہی میں سعودی عرب کی کبار علماء کمیٹی (هيئة كبار العلماء السعودية) نے مسلمانوں کی مصلحت کا خیال کرتے ہوئے تحریکیوں کی معروف تنظیم "الإخوان المسلمون" کو دہشت گردانہ تنظیم قرار دے کر ان کی حقیقت سے لوگوں کو آگاہ کیا اور ان کے باطل اور اسلام مخالف نظریات کو عوام کے سامنے لایا (فجزاهم الله خيرا وأحسن الجزاء) اس فتویٰ کا خلاصہ یہ ہے کہ الإخوان المسلمون ایک ایسی تنظیم ہے جو ولاۃ امر کے ساتھ جھگڑے برپا کرنے، حکام کے خلاف بغاوت، مختلف ممالک میں فتنہ انگیزی اور پرامن بقائے باہمی کے ماحول کو متزلزل کرنے میں لگی ہوئی ہے اور مسلم معاشروں کو زمانہ جاہلیت کا نمونہ قرار دیتی ہے، جب سے یہ تنظیم وجود میں آئی اس وقت سے لے کر اب تک اس نے نہ تو اسلامی عقائد پر توجہ دی اور نہ ہی علوم قرآن وسنت میں دلچسپی دکھائی، اس کا مقصد صرف اقتدار کا حصول ہے اس جماعت کی تاریخ شر انگیزیوں اور فتنوں سے بھری ہوئی ہے اور اس کے دامن سے کئی انتہا پسند تنظیمیں نکلی ہیں جو مختلف ممالک واقوام میں فساد برپا کرنے میں لگی ہیں، دنیا بھر میں تشدد اور دہشت گردی کے جرائم سے ان تنظیموں کی تاریخ بھری پڑی ہے، یہ تنظیم ایک دہشت گرد تنظیم ہے جو اسلامی تعلیمات واہداف کی نمائندگی نہیں کرتی بلکہ اپنے جماعتی اہداف ومقاصد کی پیروی کرتی ہے جو کہ دین حنیف کے یکسر مخالف ہیں اور یہ تنظیم دین کی آڑ میں فتنہ انگیزی، تفرقہ بازی، تشدد اور دہشت گردی کر رہی ہے، لہٰذا سب لوگ اس جماعت سے خبردار رہیں نہ کوئی اس سے نسبت قائم کرے اور نہ ہمدردی کا اظہار کرے [www.spa.gov.sa/2155560] سعودی حکومت کی طرف سے رافضیوں اور تحریکیوں پر لگائے گئے پابندیوں کی وجہ سے ان کے مفادات کافی متاثر ہوئے جس کی وجہ سے وہ سعودی حکومت سے نفرت کرتے ہیں اور اسے بدنام کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔

یہاں ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ جب مصر میں جمال عبدالناصر کی حکومت میں اخوانیوں کے لیے حالات مشکل ہو چکے تھے، کئی اخوانی رہنماؤں کو گرفتار کر لیا گیا تھا اور ان کے اہم رہنماؤں کو سزائے موت بھی دی گئی تو اس وقت سعودی حکومت نے دینی اخوت وہمدردی اور وسعت قلبی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے یہاں انہیں پناہ دی اور ان کی ہر ممکن مدد بھی کی، لیکن اخوانیوں نے غداری اور احسان فراموشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہر وقت سعودی حکومت کی مخالفت کی اور لوگوں کو حکومت کے خلاف ابھار کر وہاں کی پرامن فضا کو بگاڑنے کی کوشش

کی اور وہاں کے حکمرانوں کے لیے بڑے بڑے مسائل کھڑا کردیے، اسی کا خمیازہ آج انہیں بھگتنا پڑ رہا ہے۔

سعودی عرب کی ترقی کو روکنا: سعودی عرب پر اللہ کا بہت بڑا احسان ہے کہ وہ اپنے وجود سے لے کر آج تک مسلسل ترقی کی راہ پر گامزن ہے مگر اسلام دشمن طاقتیں خصوصاً اسرائیل، ایران اور ان کا حلیف ملک ترکی نے ہمیشہ سعودی عرب کی ترقی پر حسد کیا، خصوصاً محمد بن سلمان کے ولی عہد بننے کے بعد وہاں کے حالات میں کافی تبدیلی آئی، ۲۰۱۶ء میں جب محمد بن سلمان نے مملکت سعودی عرب کی ترقی کے لیے وژن 2030 کا منصوبہ پیش کیا تو ساری دنیا کے دشمنان مملکت نے محمد بن سلمان اور سعودی عرب کو خوب بدنام کیا اور بھولی بھالی عوام کو سعودی حکمرانوں سے متنفر کیا، ان کا اہم مقصد وژن 2030 کو ناکام بنانا اور سعودی عرب کی ترقی میں رکاوٹ بننا ہے، کیونکہ یہ وژن اور منصوبہ اگر کامیاب ہوجائے تو اس کا سب سے بڑا نقصان اسرائیل، ایران اور ترکی کو ہوگا، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے تئیں سعودی حکومت کی جتنی خدمات ہیں یقیناً پوری دنیا کے مسلم ممالک مل کر بھی اتنی خدمات انجام نہیں دے پائے، جب بھی دنیا کے کسی ملک میں مسلمانوں کو تکلیف پہنچتی ہے تو سعودی حکمران ہی سب سے پہلے آگے بڑھ کر ان سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں اور ان کی مدد بھی کرتے ہیں، بقول ملک سلمان: سعودی عرب کو دنیا بھر سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں کی خوشیوں، دکھوں اور تکالیف کا احساس ہے وہ مسلم امت میں اتحاد وتعاون اور یکجہتی کے فروغ کے لیے کوشاں ہے اور ساری دنیا میں امن وسلامتی کا خواہاں ہے [عکاظ اردو ۴/ستمبر ۲۰۱۷ء]

اس نے دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے اربوں کھربوں ریال بطور امداد خرچ کردیا ہے جو کہ تاریخ کا سنہرا باب ہے حکومتی اور رابطۂ عالم اسلامی جیسی تنظیموں کے پلیٹ فارم سے مسلمانان عالم بالخصوص شام، فلسطین، افغانستان، یمن، اور دیگر مسلم ممالک کے قضیوں کو حل کرنے اور اقوام متحدہ میں اسرائیل، شام، اور برما جیسی دہشت گرد حکومتوں کے خلاف آواز اٹھانے میں ان کی کوششیں ناقابل فراموش ہیں صرف یہی نہیں بلکہ دنیا بھر سے ہر سال آنے والے لاکھوں حجاج ومعتمرین کے لیے غیر معمولی خدمات فراہم کرنا، جالیات سنٹرس اور مختلف اسلامی یونیورسٹیوں کے ذریعے دین کو عام کرنا، کروڑوں کی تعداد میں مصاحف، مقامی زبانوں پر مشتمل تفاسیر، دینی لٹریچر کی تقسیم ان کے اہم کارناموں میں سے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے حق میں مملکت سعودی عرب کی کوششوں کو قبول فرمائے اور دشمنان اسلام وتوحید کے شر سے انہیں محفوظ فرمائے۔ آمین۔

مسکراتے ہوئے ملاقات کرنا۔ایک نبوی سنت

عبدالباری جامعی مدنی

استاذ جامعہ

دین اسلام دوطرح کے حقوق کے مجموعہ کا نام ہے، ایک حقوق اللہ، دوسرے حقوق العباد، جو شخص ان دونوں حقوق کی کما حقہ بجا آوری کرتا ہے وہی کامل مومن اور مسلمان ہے، ایسا شخص دنیا وآخرت کی تمام تر سعادتوں سے فیض یاب ہوگا، مذکورہ دونوں حقوق کی تفصیل نصوصِ کتاب وسنت میں موجود ہے۔

زیرِ نظر مضمون میں حقوق العباد سے متعلق ایک اہم حق اور نبوی سنت ''مسلمان بھائی سے مسکراتے ہوئے ملاقات کرنا'' کی طرف رہنمائی کی گئی ہے، ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **حَقُّ المُسْلِمِ علی المُسلِمِ سِتٌّ قيلَ: ما هُنَّ يا رَسولَ اللهِ؟ قالَ: إذا لَقِيتَهُ فَسَلِّمْ عليه، الحديث** [صحيح مسلم: كتاب السلام: ۲۱۶۲] ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں، پوچھا گیا اے اللہ کے رسول! وہ کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم اس سے ملاقات کرو تو سلام کرو، اسی طرح احادیث میں سلام کے ساتھ بوقت ملاقات مصافحہ کرنے کی بھی تعلیم دی گئی ہے اور اس کے متعدد فوائد بیان کیے گئے ہیں، اسی سے جڑی ایک اہم سنت اپنے مسلمان بھائی سے مسکراتے ہوئے ہشاش بشاش چہرے سے ملاقات کرنا ہے، صحابی رسول ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: **عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: قَالَ لِيَ النَّبِيُّ ﷺ: لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا، وَلَوْ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ** [صحيح مسلم: كِتَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِ: ۲۶۲۶] ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کے نبی ﷺ نے مجھ سے کہا: کسی بھی نیکی کو حقیر ومعمولی نہ سمجھو گرچہ اپنے بھائی سے مسکراتے ہوئے ملنا ہی کیوں نہ ہو۔

حدیثِ مذکور میں یہ تعلیم ہے کہ آدمی جب بھی اپنے اسلامی بھائی سے ملاقات کرے تو خندہ رو ہو کر ملے، حدیث کی شرح میں ابن علان الصديقي الشافعي رحمہ اللہ (۱۰۵۷ھ) لکھتے ہیں: **أي: متهلِّلٌ بالبِشْرِ والابْتِسَامِ، لأنَّ الظَّاهِرِ عُنْوانُ الْبَاطِنِ، فلُقْيَاه بِذلِك يُشْعِر لِمُحبّتك لَهُ، وَفرحُك بلُقْيَاه، والْمَطْلوبُ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ التَّوادُّ والتَّحابُ** [دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين لابن علان: ۵/۱۶۵] کہ اس سے مراد کھلکھلاتے، مسکراتے چہرے سے ملنا ہے اس لیے کہ انسان کا ظاہری رویہ اس کے باطن کی عکاسی کرتا ہے، لہٰذا مسکراتے ہوئے ملنا اُس شخص سے آپ کی محبت اور آپ کی فرحت وشادمانی کی دلیل ہے اور آپس میں ایک دوسرے سے الفت ومحبت کرنا تمام مومنوں سے مطلوب ہے۔

ایک حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا: لَا تَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى تُؤْمِنُوا، وَلَا تُؤْمِنُوا حَتَّى تَحَابُّوا، أَوَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوهُ تَحَابَبْتُمْ؟ أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ [صحیح مسلم: كِتَاب الْإِيمَانُ: ۵۴] تم بہشت میں نہ جاؤ گے، جب تک ایمان نہ لاؤ گے اور کامل مومن نہ بنو گے، جب تک آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ رکھو گے اور میں تم کو وہ چیز نہ بتلادوں جب تم اس کو کرو تو تم آپس میں محبت کرنے لگو، سلام کو آپس میں رائج کرو۔

آپ ﷺ بڑے خوش مزاج اور ہنس مکھ تھے، صحابہ کرام سے جب بھی ملاقات ہوتی مسکرا دیتے، جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مَا حَجَبَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْذُ أَسْلَمْتُ، وَلَا رَآنِي إِلَّا تَبَسَّمَ فِي وَجْهِي [بخاری: كِتَابُ الْجِهَادِ وَالسِّيَرِ: ۳۰۳۵] جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے کبھی مجھے (اپنی زیارت سے) محروم نہیں کیا اور جب بھی آپ مجھ کو دیکھتے خوشی سے مسکرانے لگتے، حدیث کی شرح میں امام ابن بطّال رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں: فيه أنَّ لِقاءَ النّاسِ بالتَبسُّم، وطَلاقَةِ الْوَجْهِ، مِنْ أَخْلَاقِ النُبوةِ، وَهُوَ مُنَافٍ للتَّكبُر، وجَالِبٌ لِلْمَوَدَّةِ [شرح صحيح البخارى، لابن بطال: ۵/۱۹۳] لوگوں سے ہنستے ہوئے اور چہرے کی بشاشت کے ساتھ ملنا نبوی اخلاق میں سے ہے اور یہ تکبر کے منافی ہے، نیز اس سے محبت پیدا ہوتی ہے، امام ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: والبَشَاشَة مُصِيدة المودّة [فيض القدير: ۳/۲۲۶] چہرے کی مسکان محبت کو کھینچ لاتی ہے، ایک عربی شاعر کہتا ہے ؎

أخو البِشْرِ محبوبٌ على حُسْنِ بِشْرِهِ
ولن يعدم البغضاءَ مَنْ كان عابسا

ہنس مکھ آدمی اپنی مسکان کی وجہ سے محبوب ہوتا ہے
اور منہ پھُلانے والے کے مخالفین بہت ہوتے ہیں

ایک مرتبہ نبی ﷺ نے ابوذر رضی اللہ عنہ کے سامنے صدقہ کے قائم مقام بعض اعمال کی وضاحت کی جن میں سب سے پہلے آپ ﷺ نے اسی مذکورہ بالا عمل کو بتایا چنانچہ آپ نے فرمایا: تَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ [صحيح :الترمذي: أَبْوَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ۱۹۵۶] تمہارا اپنے بھائی کے روبرو مسکرانا صدقہ ہے، امام مناوی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں: يعني: إظهارك له البَشَاشَة، والبِشْر إذا لقيته، تؤجر عليه كما تؤجر على الصَّدقة [فيض القدير: ۳/۲۲۶] اپنے بھائی سے ملاقات کے وقت اس کے سامنے خندہ روئی اور خوش دلی کے اظہار پر تمہیں ایسے ہی اجر و ثواب ملے گا جیسے صدقہ کرنے پر ملتا ہے۔

مسکرانا یہ ایک چھوٹا سا عمل ہے جو بغیر کسی محنت، مشقت یا تکلفہ کے کیا جاتا ہے لیکن اجر وثواب کے اعتبار سے اللہ کی راہ میں صدقہ کرنے کے برابر ہے، ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: **إنكم لن تَسَعوا الناسَ بأموالِكم، ولكن يَسَعهم منكم بَسْطُ الوجهِ، وحُسْنُ الخُلُقِ [صحيح الترغيب للألباني: ٢٦٦١، حسن لغيره]** تم اپنے اموال کے ذریعہ لوگوں (کی رضامندی) کو نہیں پا سکتے، لیکن تمہارے چہرے کی خوش مزاجی وکشادگی اور حسنِ اخلاق ان کو پا سکتے ہیں، امام حسن بن یسار بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: **حَقِيقَة حُسْن الْخُلُق: بَذْل الْمَعْرُوف، وَكَفّ الْأَذَى، وَطَلَاقَة الْوَجْه [الآداب الشرعية لمحمد بن مفلح: ٢/٢١٧]** حسنِ اخلاق کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی خیر وبھلائی کو عام کرے، تکلیف واذیت رسانی سے گریز کرے اور چہرے کو ہشاش بشاش رکھے، مسکرانا، تبسم فرمانا آپ ﷺ کی دائمی صفت تھی، عبداللہ بن حارث بن جزء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: **ما رأيتُ أحدًا أكثرَ تبسُّمًا من رسولِ اللهِ ﷺ [صحيح الترمذي: ٣٦٤١]** میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے زیادہ مسکرانے والا کسی کو نہیں دیکھا، نبی کی کثرتِ مسکراہٹ کا مطلب یہ نہیں کہ آپ روتے نہ تھے یا غصہ نہیں ہوتے تھے آپ روتے بھی تھے اور ناراض بھی ہوتے تھے لیکن آپ صرف اللہ کے حضور روتے گڑگڑاتے تھے اور جب آپ کی موجودگی میں کوئی منکر کام ہوتا، اللہ کے احکام کی پامالی ہوتی تو آپ سخت ناراضگی کا اظہار بھی کرتے تھے یہاں تک کہ آپ کا چہرہ سرخ اور آواز بلند ہوجاتی، آپ شدت کے ساتھ اس منکر پر رد کرتے، لیکن جب آپ عوام سے ملتے تو خوش مزاجی اور ہنس مکھ چہرے سے ملتے، آپ کے مسکرانے کی کیفیت سے متعلق حدیث میں آتا ہے: **كان لا يضحُك إلا تبسُّمًا ولا يلتفتُ إلا جميعًا [السلسلة الصحيحة: ٥/١٢٢١، إسناده مرسل صحيح]** کہ آپ ﷺ کا ہنسنا صرف تبسم (یعنی بغیر آواز کے مسکرادینا) ہوتا تھا اور اگر آپ کسی کی طرف التفات فرماتے تو مکمّل طریقے سے اُس کی طرف متوجہ ہوتے۔

آپ ﷺ ملاقاتیوں سے تبسم فرما کر بات کرتے اور صحابہ کرام کو بھی اس کی تعلیم دیتے چنانچہ آپ نے فرمایا: **لَا تَحْقِرَنَّ شَيْئًا مِنَ الْمَعْرُوفِ، وَأَنْ تُكَلِّمَ أَخَاكَ وَأَنْتَ مُنْبَسِطٌ إِلَيْهِ وَجْهُكَ، إِنَّ ذَلِكَ مِنَ الْمَعْرُوفِ [صحيح أبي داود: كِتَابُ: اللِّبَاسِ: ٤٠٨٤]** کسی بھی بھلائی کو حقیر نہ جانو یہاں تک کہ تم اپنے (مسلمان) بھائی سے شگفتہ چہرے سے گفتگو کرو، بے شک یہ بھی نیکی کا کام ہے، کبھی نبی ﷺ حلقہ اصحاب میں ہوتے اور کسی بات پر صحابہ ہنس دیتے تو آپ بھی مسکرا دیتے تھے، سماک بن حرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: وہ کہتے ہیں میں نے جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: **أَكُنْتَ تُجَالِسُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: نَعَمْ كَثِيرًا، كَانَ لَا يَقُومُ مِنْ مُصَلَّاهُ الَّذِي يُصَلِّي فِيهِ الصُّبْحَ حَتَّى تَطْلُعَ**

الشَّمْسُ، فَإِذَا طَلَعَتْ قَامَ، وَ كَانُوا يَتَحَدَّثُونَ، فَيَأْخُذُونَ فِي أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ، فَيَضْحَكُونَ وَيَتَبَسَّمُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ [مسلم: كِتَابُ الْفَضَائِلِ: ٢٣٢٢] کیا آپ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے؟ انہوں نے کہا: ہاں، بہت بیٹھا کرتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاں فجر کی نماز پڑھتے وہاں سے نہ اٹھتے آفتاب نکلنے تک، جب آفتاب نکلتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھتے اور لوگ باتیں کرتے اور جاہلیت کے کاموں کا ذکر کرتے اور ہنستے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبسم فرماتے (یعنی بغیر آواز کے ہنستے)

مذکورہ تمام نصوص سے یہ بات آشکارا ہوتی ہے کہ ایک مسلمان کو ہمیشہ خوش مزاج، ملنسار، الفت ومحبت کا پیکر ہونا چاہیے اپنے بھائیوں سے ملاقات ہو تو مسرت آمیز رویہ اختیار کرے، ترش مزاجی، بے رخی اور چہرے پر کراہت کے آثار لے کر مسلمان بھائیوں سے ملنا یا بوقتِ ملاقات منہ پُھلائے رکھنا نہایت معیوب اور مذموم بات ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، سورہ لقمان میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴿١٨﴾﴾ [لقمان: ۱۸] اور لوگوں کے لیے اپنا رخسار نہ پھلا اور زمین میں اکڑ کر نہ چل، بیشک اللہ کسی اکڑنے والے، فخر کرنے والے سے محبت نہیں کرتا۔

آج معاشرے میں بعض افراد کو دیکھا جاتا ہے جن کے چہروں پر ہمیشہ سلوٹیں اور پیشانیوں پر شکنیں پڑی ہوتی ہیں جب وہ لوگوں سے ملتے ہیں تو چہرہ سے بے رخی اور کراہت کے آثار صاف ظاہر ہوتے ہیں، ان کے چہروں سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ کون بیوی سے لڑ جھگڑ کر آیا ہے، کون بچوں کو پیٹ کر آیا اور کون والدین کو ڈانٹ ڈپٹ کر آیا ہے (أعاذنا الله منه) دانشور لوگ کہتے ہیں: مسکراہٹ بند دلوں کو کھولنے کی کُنجی ہے، یہ بغیر زبان کھولے سامنے والے سے رابطہ کرنے کا بہترین آلہ ہے، مسکراہٹ سامنے والے کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کرنے کا بہترین ذریعہ اور وسیلہ ہے، انسان جب کسی بھائی سے مسکراتے چہرے کے ساتھ ملاقات کرتا ہے تو مقابل شخص اپنے غم والم کو یکسر بھول جاتا ہے، لہٰذا ہر شخص کو چاہیے کہ خود بھی ہنستا مسکراتا رہے اور دوسروں کے لیے بھی خوشی و مسرت کا باعث بنے، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: أَحَبُّ الأعمالِ إلى اللهِ عزَّ وجلَّ سرورٌ تُدخِلُه على مسلمٍ [أخرجه الطبراني: ١٢/٤٥٣، صحيح الترغيب: ٩٥٥، حسن لغيره] کسی مسلمان بھائی کو خوش کرنا اللہ کے نزدیک سب سے محبوب عمل ہے اور جب کسی بھائی کو ہنستا مسکراتا دیکھیں تو اس کے لیے دائمی خوشی کی دعا کرنی چاہیے، ایک مرتبہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے آپ کو مسکراتے دیکھا تو فرمایا: أَضْحَكَ اللهُ سِنَّكَ يَا رَسُولَ اللهِ [صحيح البخاري: كِتَاب فَضَائِلِ الصحابة: ٣٦٨٣] اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ ہنستا مسکراتا رکھے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جملہ سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

انٹرنیٹ کے فوائد ونقصانات

حافظ سی۔سیف اللہ سنابلی
استاذ جامعہ

ابتدائے آفرینش سے ہی انسان ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہے لیکن آج کا انسان گزشتہ چند دہائیوں کے انسان سے بالکل بدلا ہوا نظر آتا ہے کیونکہ آج سائنس اور ٹیکنالوجی کے دور میں محیر العقول اختراعات نے انسانی ترقی میں چار چاند لگا دیے ہیں ریڈیو، موبائل، ٹی۔وی، انٹرنیٹ اور اسپیس کی ایجادات نے انسان کو ایسے مقام پر کھڑا کر دیا ہے کہ جہاں وہ دنیا کو اپنی مٹھی میں لیے گھومتا پھرتا ہے گویا کہ پوری دنیا سکڑ کر ایک گلوبل ویلیج بن کر رہ گئی ہے اور بلاشبہ جدید انفارمیشن ٹیکنالوجی نے معاشرتی، اقتصادی، سیاسی، مذہبی اور سماجی ہر اعتبار سے تبدیلی کی فضا قائم کردی ہے، سات سمندر پار بیٹھے انسان سے یہی نہیں کہ صرف بات کی جاسکتی ہے بلکہ اسے براہ راست دیکھا بھی جا سکتا ہے انہیں جدید محیر العقول اختراعات کا ایک اہم جزء انٹرنیٹ بھی ہے جو سائنسی دنیا کی سب سے اہم ایجاد ہے۔

اس مختصر تحریر میں انٹرنیٹ کے سلبی وایجابی پہلوؤں کو واشگاف کرنے کی حتی المقدور سعی مسعود کی گئی ہے انٹرنیٹ کیا ہے؟ انٹرنیٹ پر جس کو سائبر ورلڈ سوپر ہائی وے سائبر وے انفارمیشن وغیرہ مختلف ناموں سے جانا جاتا ہے یہ دراصل دنیا بھر میں پھیلے ہوئے کمپیوٹروں کے ایک مربوط جال کا نام ہے جو چند مخصوص پروٹوکولز اور پروگرامز کی بنیاد پر اطلاعات کی ترسیل کرتا ہے یہ ایک ایسا نیٹورک ہے جس میں پرائیوٹ پبلک اکیڈمک بزنس اور حکومتی کروڑوں نیٹ ورک شامل ہوتے ہیں۔

انٹرنیٹ تاریخی جھروکے سے: ۱۹۶۰ء کے اوائل میں امریکہ کے دفاعی محکمے کی کاوشوں کی پاداش میں انٹرنیٹ کا وجود ہوا اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ امریکی حکومت نے پرائیوٹ تجارتی ادارے کے اشتراک سے ایک تحقیق کا آغاز کیا جس کا ہدف ایک مضبوط نیٹ ورک کو قائم کرنا تھا یہ اشتراک بنیادی تجارتی اداروں اور vs سائنس فاونڈیشن کے مابین تھا جلد ہی انہوں نے ایک وسیع نیٹ ورک کو دریافت کیا جس سے advanced research projects agency network کا نام دیا یہ پروجیکٹ خالص عسکری نوعیت کا تھا اس کا ہدف اصلی یہ تھا کہ امریکہ اور روس کے عزائم سے بالواسطہ باخبر رہے اور ۲ ؍ستمبر ۱۹۷۱ء میں پہلی بار اس ایجاد کو پوری طرح عملی جامہ پہنایا گیا ایک سسٹم سے دوسرے سسٹم تک

ایک چھوٹا سا پیغام بھیجا گیا یہ براہ راست انٹرنیٹ کی شروعات تھی یہ بھیجا گیا لفظ login تھا ۱۹۹۲ء میں کورے ٹوملنس نے ای میل (email) کی کھوج کی اور یہ نشان لگا کر جداگانہ آئینی تیار کیا، یورپین ٹم برنرز لی نے ۱۹۸۹ء میں world wide web (www) کو ایجاد کیا جس سے کہ ہم سیکنڈوں میں کسی بھی طرح کی معلومات کو باآسانی کھوج کرسکتے ہیں ہندوستان میں انٹرنیٹ سروس کا آغاز ۱۰/اگست ۱۹۹۵ء کو bsnl نے کیا کمپیوٹر پر انٹرنیٹ کا وجود ہوتے ہی سائنس کی ایجاد شروع ہوگئی تھی آج کل تقریباً ۲۶۴۸۴۹۳/ ویب سائٹس پورے عالم میں گردش کررہی ہیں اور ۲۵/ملین سے زیادہ لوگ اسے ہمہ وقت استعمال کررہے ہیں یعنی دنیا کی ایک تہائی آبادی اپنے روزمرہ کے امور میں انٹرنیٹ کا استعمال کرتی ہے۔

ہر چیز کے دو پہلو ہوتے ہیں: ایک ایجابی اور دوسرا سلبی، اگر سلبی پہلو کو دور رکھتے ہوئے ایجابی پہلو پر اپنی توجہ مرکوز کی جائے تو اس شئی سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، یہ بات انٹرنیٹ پر بھی چسپاں ہوتی ہے کیونکہ انٹرنیٹ بھی اپنے اندر خیر وشر کا سنگم رکھتا ہے، ذیل کے سطور میں انٹرنیٹ کے خیر کے پہلو کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

معلومات کا سرچشمہ: یقیناً انٹرنیٹ معلومات فراہم کرنے کا سب سے بہترین آلہ اور ذریعہ ہے کسی بھی طرح کی معلومات کو ہم بذریعہ انٹرنیٹ سرعت کے ساتھ حاصل کرسکتے ہیں اور زیادہ پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا اور گھر بیٹھے بہت ساری معلومات حاصل کرسکتے ہیں جیسے مکتبات کی سیر، اخبارات و جرائد کا مطالعہ کرنا امتحانات کے رزلٹ معلوم کرنا یونورسٹیوں اور ایجنسیوں کے بارے میں معلومات یا کسی کمپنی میں نوکری کی ضرورت ہو Islamway.com, ehlehadith.com, Sharla.org ایک بار کلک کرو بس کرلو دنیا مٹھی میں انٹرنیٹ ایک وسیع ترین نیٹ ورک ہے جس میں کسی شئی پر ایک ہی مرتبہ کلک کرنے سے اس کی تفصیل کو مٹھی میں کیا جاسکتا ہے۔

دعوت وتبلیغ کا ذریعہ: یہ سب سے اہم فائدہ ہے اس کے ذریعے پوری دنیا میں دعوت وتبلیغ کا فریضہ بخوبی انجام دے سکتے ہیں اور دنیا کے کسی بھی گوشے میں بیٹھے شخص تک اسلامی تعلیم کو پہنچایا جاسکتا ہے دعوت کے وسیلوں میں سے E-mail, Twitter, Facebook, WhatsApp, Instagram, Telegram بہت ہی اہم ہیں، ہم ان کے ذریعے چاٹ، پوسٹ وغیرہ کر کے مرئی وغیر مرئی طور پر لوگوں کو اسلامی طریقے کی طرف اور بھٹکے ہوئے مسلمانوں کو راہ راست پر لاسکتے ہیں۔

فاصلاتی تعلیم: انٹرنیٹ کے ذریعے آن لائن تعلیم وتعلم کا سلسلہ بھی جاری رکھ سکتے ہیں طالب علم

دنیا کے کسی گوشے میں ہو استاد اسے بذریعہ نیٹ براہ راست تعلیم دے سکتا ہے اور اسے دیکھ بھی سکتا ہے ایسے میں تعلیم بالکل اسی طرح سے ہوگی، جیسے face to face یعنی بالمشافہ ہوتی ہے، ان کے علاوہ بھی انٹرنیٹ کے بہت سے فوائد ہیں، مثلاً: آن لائن بس، ریلوے، فلائٹ اور ہوٹل وغیرہ کی ٹکٹ بکنگ کرنا اسی طرح اعلانات واشتہارات نشر کرنا وغیرہ، جہاں انٹرنیٹ فوائد کا مرکز ہے وہیں بے حیائی و برائی کا سرچشمہ بھی ہے لیکن **خذ ما صفا ودع ما کدر** کے تحت اس کے ایجابی پہلوؤں سے ہمیں استفادہ کرنا چاہیے، ذیل کی سطور میں انٹرنیٹ کے بعض نقصانات کا تذکرہ کیا جارہا ہے:

بے حیائی کا سرچشمہ: انٹرنیٹ کو استعمال کرتے ہوئے ہمیں بہت ہی زیادہ محتاط رہنا چاہیے کیونکہ شہد میں ہلاہل چھپا ہوا ہے اور خاص طور سے اس وقت انٹرنیٹ فحاشی و بے حیائی کا سب سے بڑا اڈا بنتا جارہا ہے، آج کی نوجوان نسل اس کا استعمال غلط انداز سے کررہی ہے اور جنسی جذبات کی برانگیختی اور جذبہ شہوت کی تسکین انٹرنیٹ سے حاصل کررہی ہے، websites کے ذریعے زنا تک کے مناظر دکھائے جاتے ہیں ایسا کیوں نہ ہو جب کہ لاکھوں سائیٹس گندے ہیں اور عوام **اذا لم تستح فاصنع ما شئت** کے تحت اس کو دیکھ رہی ہے۔

اوقات کو ضائع کرنے کا ذریعہ: انٹرنیٹ ضیاع وقت کا بدترین ذریعہ ہے کیونکہ بچے، نوجوان، بوڑھے ہر ایک اپنا قیمتی وقت ضائع کررہے ہیں، انٹرنیٹ کے ذریعے جہاں اسلام کو پھیلایا جاتا ہے وہیں اس کے ذریعے کسی کے سر بدنامی کا سہرا بھی باندھا جاسکتا ہے کیونکہ یہ درحقیقت جاسوسی کا سب سے بڑا معدن اور برائی وفحاشیت کی آماجگاہ ہے اس کے ذریعے جاسوسی عملہ کی سرگرمی کو بڑھاوا ملنے کے ساتھ ساتھ غیر محرم لڑکیوں سے اختلاط کا خدشہ بھی پوری طرح رہتا ہے انٹرنیٹ کے ذریعے دنیا کے کسی بھی شخص سے متعلق معلومات حاصل کرکے اس کا استحصال کیا جاسکتا ہے، انٹرنیٹ کے اخلاقی، سماجی، اقتصادی اور تعلیمی نقصانات کے علاوہ طبی نقصانات بھی بے شمار ہیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

نگاہ کی کمزوری: سائنسدانوں کے مطابق آنکھ کے اوپری حصے میں ایک جھلی ہوتی ہے جس کو قرنیہ کہتے ہیں یہ قرنیہ زیادہ روشنی پاکر سکڑتا ہے اور کم روشنی پاکر پھیلتا ہے اس کے پھیلنے اور سکڑنے کی شرح متعین ہے جب یہ شرح disbalance غیر متوازن ہوتی ہے تو نگاہ کمزور ہوجاتی ہے، جب ہم انٹرنیٹ یا ٹی وی پر کوئی پروگرام دیکھتے ہیں تو اسکرین پر روشنی اچانک کبھی تیز ہوتی ہے اور کبھی دھیمی ہوتی ہے جس کی وجہ سے قرنیہ disbalance ہوتا ہے اور نگاہ کی کمزوری شروع ہوجاتی ہے۔

فکری صلاحیت کا فقدان: یہ بات مسلّم ہے کہ قوتِ فکر ونظر اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب دماغ کا

بہترین اورمناسب استعمال کیا جاتا ہے، انٹرنیٹ استعمال کرنے والے اپنے دماغ کا استعمال صرف کلک کرنے کے لیے کرتے ہیں نہ کہ غوروفکر کے لیے کیونکہ غوروفکر کی اسے ضرورت ہی نہیں ہوتی اس کے برعکس اگر ہم کتابوں کا رخ کریں تو ہمارا دماغ زیادہ مستعمل ہوتا ہے اور دماغ میں اضافہ ہوتا ہے، مزید یہ کہ اتنی محنت کے بعد جو نتیجہ نکلتا ہے وہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہوجاتا ہے لہذا دماغ کو غوروفکر کے لیے زیادہ سے زیادہ استعمال کرنا چاہیے۔

پیغام: انٹرنیٹ اب جب کہ ہماری اہم اور بنیادی ضرورت بن کررہ گیا ہے، ہمارا فرض ہے کہ ہم بحیثیت مسلمان اپنی غیرت ایمانی اور خوف الٰہی کو یاد رکھتے ہوئے حتی الامکان اس کے صحیح اور مثبت استعمال کو بروئے کارلائیں، اپنا قیمتی وقت ضائع کرنے کے بجائے انٹرنیٹ کا مثبت استعمال کرتے ہوئے اپنے وقت کو قیمتی بنائیں اور سب سے اہم بات اپنی اسلامی تہذیب وثقافت کو تباہی سے بچانے کے لیے دوسروں کو بھی مثبت استعمال کی تلقین کریں۔

حرف آخر: امید ہے کہ آپ کے سامنے یہ بات واضح ہوگئی ہو کہ انٹرنیٹ بیک وقت شجرہ خبیثہ وطیبہ ہے، اس لیے مسلمان کو چاہیے کہ اس کے ایجابی پہلوؤں سے مستفید ہوں اور برائیوں وفحاشیوں سے کنارہ کشی اختیار کریں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں انٹرنیٹ کے ایجابی پہلوؤں سے استفادہ کرنے اور سلبی پہلوؤں سے اجتناب کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

گناہوں کو مٹانے والی نیکیاں (صفحات: ۶۴)

مرتب: عبدالباری جامعی مدنی ناشر: ضلعی جمعیت اہل حدیث انت پور

عمل میں اخلاص کی اہمیت وضرورت (صفحات: ۱۲۰)

مرتب: عبدالباری جامعی مدنی ناشر: جامعہ محمدیہ عربیہ رائیدرگ

ملنے کا پتہ:

جامعہ محمدیہ عربیہ، کنیکل روڈ، رائیدرگ۔۵۱۵۸۶۵

ضلع انت پور، آندھراپردیش، انڈیا۔

رابطہ نمبر: 9533448071

محدث ضیاء الرحمن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ۔تاثرات وگزارشات

عبدالرحیم بن عبدالمجید المدنی
عضو الدعوة بجمعية الدعوة والارشاد
وتوعية الجاليات بمحافظة بقعاء، حائل

یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ شریعتِ اسلامیہ کے بنیادی مصادر کتاب وسنت کی شکل میں محفوظ ہیں، جن کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تبارک وتعالیٰ نے بذاتِ خود لی ہے، جس طرح سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت فرمائی بعینہ اسی طرح سے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت ہر دور میں ایسے محدثین کی جماعت کے ذریعے فرمائی جنہوں نے انتہائی عرق ریزی سے نہ صرف احادیث جمع کیا بلکہ شرعی اصول کی روشنی میں صحیح، ضعیف اور موضوع روایات کو کھنگال کر امت کے سامنے پیش کر دیا، اور دین کے ساتھ کھلواڑ کرنے والے اہل بدعت، زندیق اور جھوٹی حدیثیں گھڑنے والوں پر قدغن لگایا جو شب وروز دین کی اصلی شکل کو مسخ کرنے میں پیش پیش رہتے ہیں، اسی لیے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: **لولا المحابر لخطبت الزنادقة على المنابر** [ذم الكلام للهروي: ۴/۳۴] اگر محدثین کی جماعت نہ ہوتی تو زندیق ممبروں پر خطبہ دیتے، عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: **الاسناد من الدين لولا الاسناد لقال من شاء ماشاء** [الجرح والتعديل لابن ابي حاتم: ۲/۱۶] اسناد دین کا حصہ ہے، اگر سند نہ ہوتی تو جو جیسے چاہتا دین میں من مانی کرتا۔

عصر حاضر میں اسی سلسلے کی ایک کڑی محدث استاذ دکتور ضیاء الرحمٰن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ہے، جنہوں نے رب العالمین کے خصوصی فضل وکرم سے اسلام کی دولت سے مشرف ہو کر جنوبی ہند کے مشہور ادارہ جامعہ دارالسلام عمر آباد سے فراغت حاصل کرنے کے بعد مدینہ یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی، پھر جامعہ ام القریٰ سے ماجستر کیا، جن کے رسالہ کا عنوان: **ابو هريرة رضي الله عنه في ضوء مروياته** تھا اور **جامعة الأزهر** سے **أقضية رسول الله** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دراسہ وتخریج وتحقیق کے عنوان پر دکتوراہ کا اعزاز حاصل کرنے کے بعد مہبطِ وحی جامعہ اسلامیہ مدینہ یونیورسٹی میں بحیثیت مدرس مقرر ہوئے پھر عمید کلیۃ الحدیث کی حیثیت سے خدمات انجام دی۔

محدث ضیاء الرحمن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ایک جامع ہمہ گیر شخصیت تھی، جہاں انہوں نے مدینہ یونیورسٹی میں تدریسی، ادارتی خدمات، ماجستر، دکتوراہ کے رسائل کا اشراف ومناقشہ کیا وہیں تصنیف وتالیف کے میدان

میں مختلف فنون، ادیان، علوم قرآن، بالخصوص فن حدیث میں وہ خدمات انجام دی جو بڑے بڑے تصنیفی ادارے انجام دینے سے قاصر ہیں، ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء.یوں تو مدینہ یونیورسٹی میں داخلے کے بعد راقم الحروف کو آپ کی شخصیت کو قریب سے جاننے اور آپ کے بعض دروس سے استفادہ کا موقع ملا، نیز آپ کی تالیفات وتصنیفات سے آگاہی حاصل ہوئی۔لیکن فضیلۃ المحدث رحمۃ اللہ علیہ سے پہلی یادگار ملاقات کا شرف ایک مرتبہ فضیلۃ الشیخ مظفر عمری حفظہ اللہ کی دکان پر بعد مغرب حاصلِ ہوا۔اور آپ نے اپنی تمام تر علمی خوبیوں کے باوجود نہایت سادگی،تواضع،خندہ پیشانی سے ملاقات فرمائی اور ضروری ملاقات کے بعد تشریف لے گئے۔آپ کے چلے جانے کے بعد شیخ مظفر عمری حفظہ اللہ نے مجھ سے دکتور کا تعارف کروایا تو میں آپ کا حد درجہ تواضع وخاکساری دیکھ کر حیرت واستعجاب میں پڑ گیا، یقینا یہ آپ کے ذاتی محاسن وحسنِ اخلاق ہی ہیں جو آپ کی شخصیت کو چار چاند لگادیتے ہیں اور ملنے والے کو اپنا گرویدہ بنالیتے ہیں۔

۲۰۰۵ء میں مسجد جامعہ محمدیہ رائیدرگ میں جامعہ رحمانیہ کے بانی اور مرکز نداء الاسلام کے سکریٹری شیخ ابراہیم جامعی حفظہ اللہ کی جانب سے زیرِ نگرانی شہری جمعیت اہل حدیث ایک عظیم الشان اجتماع عام منعقد کیا گیا تھا جسمیں مشہور حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ (اجتنبوا السبع الموبقات) کے عنوان پر روشنی ڈالنے کے لیے مختلف علماء کو دعوت دی گئی، علماء کرام میں سرفہرست شیخ الحدیث مولانا عبدالغنی سیفی عمری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالوہاب جامعی حفظہ اللہ اور مولانا یوسف جمیل جامعی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالوکیل مدنی حفظہ اللہ وغیرہم شامل تھے، خاکسار کو راوی حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سیرت پر بولنا تھا تو میں نے محدث ضیاء الرحمٰن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب "أبو هريرة في ضوء مروياته" سے خوب استفادہ کیا اور محاضرہ کی تیاری وترتیب میں بنیادی مدد ملی، یقیناً یہ کتاب دفاعِ سنت کے باب میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت اور آپ کی روایت کردہ احادیث کے متعلق اٹھائے جانے والے شکوک وشبہات کے رد میں مدلل ومحقق ایک جامع دستاویز ہے۔

مرحلۂ ماجستر، قسم العقیدۃ کے پہلے تعلیمی سال میں فضیلۃ الاستاذ الدکتور سعود الخلف حفظہ اللہ نے مادۃ الادیان کے مفرداتِ منہج کے مطابق طلبہ کو مختلف بحوث کا مکلف فرمایا تو میرے حصے میں ہندو مذہب کا عنوان آیا تو اس موقع پر میں نے محدث ضیاء الرحمن اعظمی کی کتاب "فصول في أديان الهند" سے الہندوسیہ کی مبحث جو تقریباً ۱۲۶ر صفحات پر مشتمل تھی اس کی تلخیص ۳۰ر صفحات میں کی اور کتاب سے خوب مستفید ہوا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ فضیلۃ المحدث کی یہ کتاب میدان دعوت وتبلیغ میں کام کرنے والوں کے لیے بالخصوص ہندوؤں کو اسلام کی دعوت دینے میں کافی مفید ومعاون اور ایک نادر جامع علمی تحفہ ہے اور وقت کی

اہم ضرورت بھی، اس لیے کہ محدث رحمۃ اللہ علیہ نے ”صاحب البیت أدری بما فیه“ کے تحت ہندو مذہب کی تاریخ اور مصادر، فرق، طبقات، عقائد اور عبادات پر نہایت عمدہ اسلوب میں سیر حاصل گفتگو کی ہے، نیز بدھ، جین اور سکھ مذہب پر بھی تفصیلی بحث کی ہے اور کتاب کے آخر میں مصنف نے ہندوؤں کی مسلمانوں سے دشمنی کے چند اہم اسباب پر روشنی ڈالی ہے، موضوع کی اہمیت کے پیشِ نظر افادہ عامہ کے لیے درج ذیل اسباب کا اختصار کے ساتھ تذکرہ کردینا مناسب سمجھتا ہوں۔

۱۔ ہندوؤں کا رسالت محمدیہ بالخصوص عقیدۂ توحید سے عدمِ واقفیت جس کی اہم وجہ صوفیت ہے، جس نے اسلامی عقائد اور بت پرستی کے عقائد کو خلط ملط کر کے اسلام کی مسخ شدہ تصویر پیش کی اور اس کی واضح دلیل ہندوستان کے وسیع رقبے میں پھیلے ہوئے مزارات، درگاہیں، آستانے ہیں، جہاں پر استغاثہ بغیر اللہ، غیر اللہ کی پکار، قبروں کا طواف اور غیر اللہ کے لیے سجدے، ذبح اور نذر و نیاز وغیرہ جیسے شرکیہ اعمال انجام دیے جاتے ہیں۔

۲۔ ہندو مصنفین کی اپنی تالیفات میں اسلام، عقیدہ توحید، ہمارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تاریخ اسلام کے خلاف زہر افشانی کرنا اور نت نئے جھوٹے پروپیگنڈے اور شکوک و شبہات پھیلانا جس کے لیے ابتدائی تعلیمی مراحل سے ہی ایک ہندو طالب کی ذہن سازی کی جاتی ہے، ایسے موقع پر ہندوستانی مسلمانوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ صحیح اسلامی کتابوں بالخصوص امہات الکتب کا علاقائی زبان میں ترجمہ کرنے پر توجہ مبذول کریں۔

۳۔ ہندوستان میں مسلمان امراء نے تقریباً آٹھ صدیوں تک حکومت کی لیکن ان حکمرانوں کی اکثریت نے غیر مسلموں کے مابین صحیح اسلامی عقائد و تعلیمات کی نشر و اشاعت پر توجہ مرکوز نہیں کی اور نہ ہی قرآن، حدیث، سیرت نبوی، سیرتِ صحابہ و تابعین اور صحیح عقیدے کی کتابوں کو ہندی، سنسکرت جیسی زبانوں میں تراجم کا اہتمام کیا، بلکہ اس کے برعکس ستم بالائے ستم یہ ہے کہ انہوں نے ہندو مذہب کی کتابوں وید، گیتا، رامائن کا ترجمہ کروایا، عصر حاضر میں اگرچہ منظر عام پر بعض تراجم پائے جاتے ہیں لیکن اکثر ناقابل اعتماد ہیں، اگر یہ کام سلفی حضرات انجام دیتے تو کیا ہی بہتر ہوتا، اس سلسلے میں سعودی حکومت کی کاوشیں قابل فخر ہیں جس نے مجمع الملک فہد کے زیر نگرانی مختلف زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم شائع فرما کر دنیا کے گوشے گوشے میں تقسیم فرمایا۔ فجزاها الله خير الجزاء و حفظها من كل سوء و مكروه۔

مذکورہ تفصیل سے محدث ضیاء الرحمٰن اعظمی کی دعوتی تڑپ کا اندازہ ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ نے ہندی زبان میں غیر مسلموں میں تعارفِ اسلام کی غرض و غایت سے ”قرآن کی شیتل چھایا“ جیسی کتاب

اور قرآن کے موضوعات پر ایک ضخیم انسائیکلو پیڈیا تیار کیا۔ فرحمه الله رحمة واسعة۔

بلا شبہ فضیلة المحدث ضیاء الرحمن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار عالمِ اسلام کی ان مشہور و معروف شخصیات میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی زندگی کو علم حدیث کی خدمت کے لیے وقف کیا، اور اس کے نتیجے میں آپ کے قلم سے متعدد بلند پایہ تصانیف معرضِ وجود میں آئیں، مثلا: **دراسات في الجرح والتعديل، معجم مصطلحات الحديث ولطائف الإسناد، التمسك بالسنة في العقائد والأحكام، المدخل إلى السنن الكبرى للبيهقي، المنة الكبرى شرح وتخريج السنن الصغرى، أبو هريرة في ضوء مروياته** اور مذکورہ تصانیف کے علاوہ سب سے ممتاز و مایہ ناز موسوعاتی تصنیف **الجامع الكامل في الحديث الصحيح الشامل** ہے، جس کی تصنیف میں مصنف نے بتوفیق الٰہی تقریباً چودہ سال کی دن و رات مسلسل جدوجہد سے یہ مثالی تاریخی کارنامہ انجام دیا، الحمدللہ خاکسار کو الجامع الکامل کا منہج اور چند ابواب پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، جس سے بخوبی اندازہ ہوا کہ مصنف نے ہر باب میں ساری صحیح احادیث کو بالاستقراء نہ صرف جمع کیا بلکہ تمام احادیث پر حکم لگانے کا بھی التزام کیا، نیز متقدمین محدثین کے احکام اور متاخرین میں حافظ ابن حجر تک احکام نقل کر کے ہمیں متقدمین علماء حدیث سے جوڑنے کی قابل ستائش کوشش فرمائی ہے، میری ناقص فہم کے مطابق آپ کی تحقیقات کے ساتھ اگر مجدد عصر محدث البانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقات کو مطالعے میں شامل کر لیا جائے تو نور علی نور ہوگا اور ہم جیسے طلبہ علم خوب مستفید ہو سکتے ہیں، اور حدیثوں کی تحقیق میں امت کی بہترین رہنمائی ہو سکتی ہے اور مزید اس موسوعہ کی ایک خصوصیت جو اس کی اہمیت وافادیت کو دوبالا کر دیتی ہے وہ یہ ہے کہ مصنف نے مشہور ضعیف احادیث کی نشاندہی بھی کی اور فقہ الحدیث کا بھی اضافہ کر دیا ہے، چنانچہ آپ باب کی مناسبت سے قرآنی آیات اور متعارض احادیث میں تطبیق اور اہم مستنبط مسائل واحکام اختصار کے ساتھ جامع اور ٹھوس علمی اسلوب میں پیش کر دیتے ہیں، جو یقیناً علم حدیث کے مکتبہ میں ایک نادر علمی اضافہ ہے اور اس باب میں متقدمین ومتاخرین محدثین، مثلا: **صحيح البخاري، صحيح مسلم، صحيح ابن خزيمه، صحيح ابن حبان، جامع الأصول لابن الأثير، جامع المسانيد والسنن لابن كثير، مجمع الزوائد للهيثمي، اتحاف الخيرة المهرة للبوصيري، المطالب العالية لابن حجر، الجامع الصغير للسيوطي، جمع الجوامع للسيوطي، كنز العمال للمتقي الهندي، جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد لمحمد بن سليمان المغربي، الفتح الرباني لترتيب مسند الإمام أحمد بن حنبل الشيباني**

للساعاتي، سلسلة الاحاديث الصحيحة للألباني کی کوششوں کی تکمیل ہے۔

گزارشات:

محدث ضیاء الرحمٰن اعظمی کی تالیفات سے متعلق عموما اور بالخصوص الجامع الکامل سے متعلق چند گزارشات درج ذیل ہیں:

۱۔ الجامع الکامل کی تقریظ وتقدیم عصر حاضر کے محدثین علی سبیل المثال محدث علامہ عبدالمحسن العباد، علامہ ڈاکٹر صالح الفوزان، محدث عبدالکریم الخضیر، علامہ عبداللہ العبیلان، محدث مشہور حسن آل سلمان وغیرھم، حفظھم اللہ، سے حاصل کر کے موسوعہ میں شامل کیا جائے تو بہتر ہوگا تاکہ کتاب کی افادیت پورے عالم اسلام میں وسیع پیمانے پر ہوسکے۔

۲۔ مکتبہ شاملہ میں محدث ضیاء الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی ساری کتابوں بالخصوص الجامع الکامل کا اضافہ کیا جائے۔

۳۔ عالم اسلام کے مشہور علمی مکتبات بالخصوص ہندو پاک کے مدارس وجامعات اور سعودی جامعات کے مکتبات میں ورقی نسخے مہیا کیے جائیں تاکہ باحثین اور طلبۂ علم خوب مستفید ہوسکیں۔

۴۔ آپ کی مؤلفات سے چند اہم منتخب موضوعات کو افادہ عامہ کی غرض سے مختلف زبانوں میں پمفلٹس اور کتابچوں کی شکل میں شائع کیا جائے۔

۵۔ سعودی حکومت سے درخواست کی جائے کہ آپ کی تالیف الجامع الکامل مجمع الملک فہد یا مجمع ملک سلمان لطباعۃ الحدیث الشریف یا دارالافتاء سے چھپوا کر عالم اسلام میں تقسیم کی جائے۔

۶۔ محدث ضیاء الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی عقدی، دعوتی، حدیثی جہود پر رسائل ماجستیر ودکتوراہ لکھے جائیں، جس کے لیے مقترحہ عناوین، جهود المحدث ضياء الرحمن رحمه الله في العقيدة، جهوده في الدعوة إلى الله، جهوده في الحديث وعلومه وغیرہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی جملہ کاوشوں کو شرف قبولیت سے نوازے، بال بال آپ کی مغفرت فرمائے، جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے اور ہمیں آپ کا نعم البدل عطا فرمائے اور آپ کی تصانیف سے بھرپور استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

ذرا عمر رفتہ کو آواز دینا

حضرت مولانا محمد حنیف عمری چٹڑّکی

محمد انور محمد قاسم سلفی

رئیس مرکز توعية الجاليات الهندية، بالكويت

۱۹۷۹ء کا واقعہ ہے کہ مادرِ علمی جامعہ محمدیہ رائیدرگ میں ایک نئے استاد کا تقرر ہوا، متوسط قد، اکہرا بدن، سفیدی مائل گندمی رنگ، چھوٹی آنکھیں، ان پر نظر کی عینک، ستوان ناک، کشادہ دہن، باریک ہونٹ، کشادہ چہرہ اور چہرے پر خش خشی کالی داڑھی جو گالوں پر پتلی اور ٹھڈی پر گھنی تھی، ہنستا ہوا نورانی چہرہ اور چہرے سے ذکاوت کے آثار ہویدا، یہ تھے حضرت مولانا محمد حنیف عمری حفظہ اللہ، جو کرناٹک کے مشہور ضلع بیجاپور کی ایک مشہور اہل حدیث بستی چٹڑّکی کے رہنے والے تھے۔

بیجاپور تاریخ کے آئینے میں: جنوبی ہند میں مسلمانوں کی آمد اگر چہ پہلی صدی ہجری میں ہی ہو چکی تھی، کچھ صحابہ کرام اور کئی تابعین و تبع تابعین کی آمد کے تاریخی ثبوت بھی موجود ہیں، لیکن اسلامی فتوحات کا سلسلہ سلطان جلال الدین خلجی، پھر ان کے بھتیجے اور داماد سلطان علاء الدین خلجی کے دور سلطنت میں شروع ہو گیا، سلطان علاء الدین خلجی نے اپنے چچا جلال الدین خلجی کے زمانے میں مہاراشٹرا کے مشہور و مضبوط ترین قلعہ دیونا گری (دولت آباد) اور اس کے اطراف و اکناف کے علاقوں کو فتح کر کے جنوبی ہند میں اسلامی فتوحات کا آغاز کر دیا تھا، لیکن اس علاقے میں اسلام کی حقیقی نشر و اشاعت کا کام سلطان محمد بن تغلق رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ہوا، آپ کے دور میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے کئی شاگرد ہندوستان آئے، اور اپنے ساتھ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں بھی لے آئے، ان کتابوں نے سلطان محمد بن تغلق رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں اسلام کی نشر و اشاعت اور بدعات و خرافات کے ازالے کا وہ جذبہ پیدا کیا کہ آپ نے جنوبی ہند میں اسلام کی اشاعت کے لیے اپنا پایہ تخت دہلی سے مہاراشٹر کے دولت آباد (دیوگری) کو منتقل کیا، سلطان محمد بن تغلق نے اپنے دور سلطنت میں (۱۳۲۵-۱۳۵۱) کے درمیانی عرصے میں جنوبی ہند میں اسلام کی نشر و اشاعت کی زبردست کامیاب کوششیں فرمائیں، آپ نے اپنے دور حکومت سینکڑوں علماء کو اسلام کی اشاعت کے لیے کشمیر اور جنوب کے دور دراز علاقوں میں روانہ کیا اور جو لوگ ہندو سے

مسلمان بنے تھے انہیں اپنی حکومت میں اہم عہدوں پر فائز کیا، جس سے متأثر ہوکر پچاس لاکھ سے زیادہ نچلی ذات کے ہندوؤں نے اسلام قبول کیا اور بے شمار بدعات وخرافات کا ازالہ کیا، کتاب وسنت کو رواج دیا اور توحید کا بول بالا کیا، جس سے قدامت پسند درباری جاہل مولوی اور ملّا تڑپ اٹھے اور انھوں نے حکمرانی کے خواب دیکھنے والے شہزادے، فیروز شاہ تغلق سے مل کر سلطان کے قتل کی سازش کی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ خود شہنشاہ کے چچیرے بھائی، فیروز شاہ تغلق نے اپنے بھائی سلطان محمد تغلق رحمۃ اللہ علیہ کو زہر دے کر ماردیا۔ إنّا للہ و إنّا إلیہ راجعون۔

اس طرح جنوبی ہند میں اسلام کی نشر واشاعت کا جو خواب سلطان محمد بن تغلق رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا تھا، اسے خود انکے زیر آستین پرورش پانے والے سانپوں نے پریشان کردیا۔ سچ ہے ؎

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

سلطان محمد تغلق رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۴۲ء میں ظفر خان کو جنوبی ہند کا صوبے دار مقرر کیا، اس نے سلطان کی پنجاب وغیرہ میں شورشوں پر قابو پانے کے لیے دولت آباد سے غیر حاضری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دکن کے سرداروں کو اپنے ساتھ ملاتے ہوئے مرکز سے علاحدگی اختیار کی اور ۱۳۴۷ء میں سلطان علاؤالدین گنگو بہمنی کا لقب اختیار کرکے، حسن آباد (گلبرگہ) میں آزاد بہمنی سلطنت کی بنیاد رکھ دی، جو موجودہ دور کے مہاراشٹر کے مغربی ساحل، شمالی کرناٹک، تلنگانہ، مغربی آندھراپردیش، مدھیہ پردیش، چھتیس گڑھ اور اڑیسہ کے مشرقی ساحل تک پھیلی ہوئی تھی۔ بہمنی سلطنت میں چار بادشاہ ہوئے جنھوں نے بڑی شان وشوکت سے حکومت کی، لیکن اس وقت جنوبی ہند میں ایک زبردست ہندو حکومت سلطنت وجیانگر VIJYA NAGAR SAMRAT قائم تھی جو اسلام کے اثر ونفوذ روکنے کے لیے ایک آہنی دیوار بنی ہوئی تھی، جس کا دار السلطنت کرناٹک میں ہاسپیٹ کے قریب VIJYA NAGAR تھا، جسے آج کل ہمپی Humpi کہا جاتا ہے، سلطنت وجیانگر، جنوب میں ہندو مذہب کا ماویٰ وملجا بنی ہوئی تھی، تقریبا دوسوتیس سال (۱۳۳۶-۱۵۶۵) تک یہ مسلمانوں کے خلاف سدّ سکندری بنی رہی، لیکن بہمنی سلطانوں نے سلطنت وجیانگر کو پئے در پئے شکستیں دے کر اس کے راجا دیورائے کو اس قدر مجبور کیا کہ ۱۴۰۰ء میں اسے اپنی سلطنت بچانے کے لیے اپنی لڑکی کی شادی بہمنی سلطان فیروز شاہ سے کرنی پڑی۔ لیکن ''ہر کمالے را زوالے'' کے مطابق ۱۴۹۰ء کے قریب بہمنی سلطنت کو بھی زوال سے دوچار ہونا پڑا، یہاں تک کہ ۱۵۳۸ء

میں اس کا خاتمہ ہوگیا، اس کے کھنڈروں پر پانچ علاقائی سلطنتوں کی بنیاد رکھ دی گئیں، جو یہ تھیں:

۱۔ بیدر کی برید شاہی سلطنت

۲۔ برار کی عماد شاہی سلطنت

۳۔ احمد نگر کی نظام شاہی سلطنت

۴۔ بیجاپور کی عادل شاہی سلطنت

۵۔ گولکنڈہ (حیدرآباد) کی قطب شاہی سلطنت

شاہانِ سلطنت عادل شاہی بیجاپور:

۱۔ یوسف عادل شاہ (۱۴۹۰ء۔۱۵۱۰ء)

۲۔ اسماعیل عادل شاہ (۱۵۱۰ء۔۱۵۳۴ء)

۳۔ مالو عادل شاہ (۱۵۳۴ء)

۴۔ ابراہیم عادل شاہ اول (۱۵۳۴ء۔۱۵۵۸ء)

۵۔ علی عادل شاہ اول (۱۵۵۸ء۔۱۵۸۰ء)

۶۔ ابراہیم عادل شاہ دوم (۱۵۸۰ء۔۱۶۲۷ء)

۷۔ محمد عادل شاہ (۱۶۲۷ء۔۱۶۵۷ء)

۸۔ علی عادل شاہ دوم (۱۶۵۷ء۔۱۶۷۲ء)

۹۔ سکندر عادل شاہ (۱۶۷۲ء۔۱۶۸۶ء)

عادل شاہی سلطنت، ایک شیعہ ریاست تھی، جنوبی ہند میں شیعیت کو فروغ دینے میں اس کا بڑا حصہ رہا ہے، چونکہ عوام سنّی عقائد کی حامل تھی، جس کی وجہ سے وہ انہیں شیعہ تو نہیں بنا سکی، البتہ بہت سے شیعہ عقائد و اعمال کو دین و مذہب کے نام پر سنّیوں میں داخل کردیا، ان سلاطین میں سب سے قابل ابراہیم عادل شاہ دوم تھا، جس کے زمانے میں عادل شاہی حکومت موجودہ مہاراشٹرا کے ساحل بحر عرب سے کرناٹک، تلنگانہ اور آندھرا پردیش کے ساحل خلیج بنگال تک پھیلی ہوئی تھی، ان میں سب سے زیادہ نکما مالو عادل شاہ تھا، جو اپنی عیاشیوں اور بدکرداریوں کی وجہ سے نہ صرف معزول کردیا گیا، بلکہ آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر کر اندھا کردیا گیا، ۱۶۸۶ء میں سلطنت عادل شاہی کا زوال سلطان محی الدین اورنگ زیب کے ہاتھوں عمل میں آیا، جس نے افغانستان سے لے کر برما اور تبت وکشمیر سے لے کر کنیا کماری تک بلاشرکت غیرے

پچاس سال تک پوری آن بان شان کے ساتھ حکومت کی لیکن اپنے تینوں فرزندوں، اعظم شاہ، معظم شاہ اور بہادر شاہ اول کو پچاس سال نظر بند رکھ کر اپنی اس عظیم سلطنت کے زوال کی بنیاد خود اپنے ہی ہاتھوں سے رکھ دی، تینوں شہزادے انتہائی نکمّے ثابت ہوئے، ان سے باپ کی چھوڑی ہوئی یہ عظیم سلطنت تین دن بھی سنبھالی نہیں جاسکی۔

مرھٹوں کے زیر سایہ: سلطان محی الدین اورنگ زیب کے انتقال ۱۷۰۷ء کے بعد جب مغل سلطنت زوال پذیر ہونے لگی اور مرہٹوں نے اپنا اثر ونفوذ بڑھانا شروع کر دیا اور انہوں نے بیجاپور سمیت جنوبی ہند کے ایک بڑے علاقے پر اپنی پیشوا سلطنت قائم کرلی، جب شمالی ہندوستان میں، پانی پت کی تیسری جنگ ۱۴ ؍جنوری ۱۷۶۱ء میں شاہِ افغانستان احمد شاہ ابدالی رحمۃ اللہ علیہ مرہٹوں کی کمر توڑ رہا تھا تو ادھر جنوبی ہندوستان میں اسلامی فتوحات کا ایک نیا آفتاب طلوع ہو رہا تھا اور وہ تھا سلطنت خداداد میسور کا حاکم میسور سلطان حیدر علی خان جس نے جنوب کے ایک بہت بڑے علاقے کو مرہٹوں کی پیشوا سرکار کے اثر ونفوذ سے پاک کیا اور موجودہ جنوبی مہاراشٹرا، کرناٹک، کیرلا، تامل ناڈو اور آندھرا کے علاقوں سے لے کر تقریباً مدراس کے قریب تک اپنی حکومت قائم کرلی۔

ان کے بعد ان کے لائق فرزند شیرِ میسور سلطان فتح علی خان ٹیپو رحمۃ اللہ علیہ کی شمشیر بے نیام نے جہاں انگریزوں کے توسیعی منصوبوں کو خاک میں ملا رکھا تھا، وہیں مرہٹوں کو بھی انکی اوقات دکھا دیا، بیجاپور پر قبضہ کے لیے بھی پیشوا سرکار اور سلطنت خداداد میں کئی معرکے ہوئے، بلکہ بیجاپور فتح کرنے کے بعد بھی سلطان ٹیپو نے خیر سگالی کے طور پر اسے پیشوا سرکار کے حوالے کردیا تاکہ وہ انہیں اپنا دشمن نہ سمجھے، لیکن برا ہو مرہٹوں کا، انہوں نے ٹیپو کی سلطنت کو اپنے لیے خطرہ سمجھ کر انکے خلاف انگریزوں سے اتحاد کرلیا، ۴ ؍مئی ۱۷۹۹ء کی چوتھی میسور جنگ، جس میں ایک طرف انگریز، حیدرآباد کا نظام اور مراٹھوں کی پیشوا سرکار تھی، اور دوسری جانب شیر میسور سلطان فتح علی خان ٹیپو رحمۃ اللہ علیہ تھے، لیکن افسوس کہ پنڈت پورنیّا، بدر الزمان خان نائطہ، میر صادق، میر غلام علی لنگڑا، میر معین الدین، میر قمر الدین، میر قاسم علی (میر صادق سے لیکر میر قاسم تک تمام شیعہ تھے) وغیرہ کی غدّاری سے اس جنگ کا خاتمہ سلطان ٹیپو رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت پر ہوا، سلطان ٹیپو رحمۃ اللہ علیہ نے ذلیل شرطوں پر انگریزوں کے سامنے ہتھیار ڈالنے کے بجائے گرجتے ہوئے فرمایا: ’’گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے‘‘ اور ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دیتے ہوئے ملک وملت کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کردیا۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

سلطان ٹیپو رحمۃ اللہ علیہ، انگریزوں کی توسیعی منصوبوں کیلیے آہنی دیوار تھے، افسوس کہ نظام اور مرہٹوں نے انگریزوں کا ساتھ دیکر ہندوستان کو ڈھائی سو سال کے لیے برٹش حکومت کا غلام بنا دیا، سلطان ٹیپو رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کے بعد بیجاپور پر چند سال مرہٹوں نے راج کیا، اس دوران مسلمانوں پر ظلم کی انتہا کردی، جس کی وجہ سے وہاں کے مسلمان ہجرت کر کے کڑپہ اور بلہاری ضلع کے دور دراز مقامات میں آباد ہوئے۔

میرے والد جناب محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے بقول: ''میرا اور ان کا ننہیال بھی بیجاپور سے ہی ہجرت کر کے ہماری بستی ''یرابلّی'' نزد پردوٹور آبسا تھا''۔

پھر ۱۸۱۸ء کی انگریز، مراٹھا تیسری جنگ میں انگریزوں نے بیجاپور سے مرہٹوں کو بے دخل کر کے اس پر قبضہ کرلیا، پھر پندرہ اگست ۱۹۴۷ء تک یہ شہر انہیں کے قبضے میں بمبئی صوبہ کے ماتحت رہا۔

نام ونسب اور تعلیم وتربیت: مولانا محمد حنیف عمری کا مکمل نام محمد حنیف ابن خواجہ صاحب کونڈ گولی، ساکن چٹڑکی، تعلقہ سندگی ضلع بیجاپور کرناٹک ہے، آپ کی تاریخ پیدائش ۲۰/جون ۱۹۵۵ء ہے، آپ ایک ایسے خاندان میں پیدا ہوئے جو شروع سے ہی مؤحد تھا، آپ سے پہلے اس گاؤں کے کئی طلباء نے حصول علم کے لیے جنوبی ہند کی دو مشہور اسلامی درسگاہوں، جامعہ دار السلام عمر آباد اور جامعہ محمدیہ رائیدرگ کی طرف شدِّ رحال کیا تھا اور ان مدارس سے فراغت حاصل کی تھی، جن میں علی لترتیب مولانا محمد ابراہیم صاحب جامعی اور مولانا محبوب الرحمن صاحب عمری مدنی، سابق لیکچرر سکیب کالج بیجاپور ہیں، ان میں آخر الذکر آپ کے چچازاد ہیں، جو جامعہ دار السلام عمر باد سے فراغت کے بعد جامعہ محمدیہ رائیدرگ اور محمدیہ عربک ہائی سکول رائیدرگ میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد پھر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے لیسانس اور ماجستر (BA.MA) کرنے کے بعد سکیب کالج بیجاپور میں لیکچرر مقرر ہوئے اور پھر وہیں سے وظیفے پر سبکدوش ہوئے۔

تعلیمی مراحل: آپ کے تعلیمی سفر کے مراحل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ **ابتدائی تعلیم:** آپ نے اپنے چچا جناب عبد الحفیظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، والد ماجد مولانا محبوب الرحمن عمری مدنی سے ناظرہ قرآن مجید، ادعیۂ ماثورہ سیکھی، پھر سرکاری اردو اسکول چٹڑکی میں حکومتی نصاب کے مطابق اردو، کچھ کنڑا، انگریزی حساب وکتاب چوتھی جماعت تک تعلیم حاصل کی۔

۲۔دارالعلوم احمد نگر مہاراشٹرا میں صرف ایک سال ۱۹۶۶ءمیں۔

۳۔جامعہ محمدیہ رائیدرگ میں صرف ایک سال ۱۹۶۷ء میں۔شاید اس وقت جامعہ اپنی معاشی ، تعلیمی اورانتظامی بے بسی کے انتہائی ابتر دور سے گذر رہا تھا،اس لیے آپ نے رائیدرگ سے عمرآباد کوچ کرنے کی ٹھانی۔

۲۔عالمیت وفضیلت اور درس نظامی کی تکمیل:

جامعہ دارالسلام عمرآباد۔ٹامل ناڈو:۱۹۶۸ء سے ۱۹۷۶ء تک۔آپ نے عمرآباد سے فراغت حاصل کی،اسی دوران آپ نے حکومتی یونیورسٹیوں سے گورنمنٹ امتحانات میں شرکت فرمائی اوران سے مندرجہ ذیل سرٹیفکٹ حاصل کیے،جو بعد میں آپ کی سرکاری ملازمت میں مُمد ومعاون بنے۔

۳۔مدراس یونیورسٹی سے منشی فاضل فائنل۔

۴۔میسوریونیورسٹی سے MA ایم اے اردو (فارسی وعربی کے ساتھ)

اساتذۂ کرام: جامعہ دارالسلام عمرآباد میں آپ نے جن اساتذۂ کرام سے اکتسابِ فیض کیا،ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

۱۔شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالواجد صاحب عمری رحمانی رحمۃ اللہ علیہ ناظم جامعہ،جن سے آپ نے صحیح بخاری اورحدیث کی دیگر کتابیں پڑھیں۔

۲۔حضرت مولانا عبدالسبحان صاحب اعظمی عمری رحمۃ اللہ علیہ نائب ناظم جامعہ، سے حدیث کی پہلی کتاب بلوغ المرام کے علاوہ دیگر کتب پڑھیں۔

۳۔حضرت مولانا ظہیرالدین اثری رحمانی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث

۴۔حضرت مولانا عبدالرحمن خان أبوالبیان حمّاد عمری حفظہ اللہ

۵۔حضرت مولانا سید امین صاحب عمری رحمۃ اللہ علیہ شیخ التفسیر

۶۔حضرت مولانا حافظ سید عبدالکبیر صاحب عمری رحمۃ اللہ علیہ شیخ التفسیر،جن سے آپ نے تفسیر البیضاوی پڑھی

۷۔حضرت مولانا امین احمد عمری رحمۃ اللہ علیہ (استاذِ ادب عربی)

۸۔حضرت مولانا خلیل الرحمن صاحب اعظمی عمری رحمۃ اللہ علیہ (استاذ تاریخ اسلامیہ)

۹۔حضرت مولانا حفیظ الرحمن صاحب اعظمی عمری مدنی (استاذ ادب عربی)

۱۰۔حضرت مولانا حافظ قاری عبیداللہ صاحب عمری رحمۃ اللہ علیہ (استاذ القرّاء۔ماہر تجوید۔حفظِ قرآن)

۱۱۔حضرت مولانا اطہر حسین صاحب عمری مدنی رحمۃ اللہ علیہ (تاریخ ادب عربی)

۱۲۔مولانا اللہ بخش صاحب نوری عمری رحمۃ اللہ علیہ۔وارڈن جامعہ (محسن ومربی)

۱۳۔ماسٹر الحاج ٹی محمد غوث صاحبMA.let(ابتدائی انگریزی حساب)

۱۴۔مولانا احمد اللہ خان صاحب عمری (استاذ فارسی ادبیات)

۱۵۔ڈاکٹر ضیاء الرحمن صہباؔ اعظمی عمری (انگریزی وحساب)

۱۶۔مولانا سالکؔ نائطی فرزند غضنفر حسین شاکرؔ نائطی (ایک سال)

۱۷۔ماسٹر سوری مُتُّو۔وظیفہ یاب ہیڈ ماسٹر (انگریزی وحساب)

تدریسی خدمات:

۱۔کولھاپور: چند ماہ ۱۹۷۷ء شاید آپ نے یہاں پر کسی مسجد اہل حدیث میں امامت وخطابت کی ہو۔

۲۔بنگلور: ۱۰/ماہ ۱۹۷۸ء چھوٹی چار مینار مسجد میں امامت وخطابت اور مدرسۂ محمدیہ میں تدریس۔

۳۔جامعہ محمدیہ عربیہ رائیدرگ: ۱۹۷۹ء سے ۱۹۸۲ء تک۔

جامعہ محمدیہ عربیہ رائیدرگ میں تدریس: ۱۹۷۹ء کے اواخر میں جس وقت آپ جامعہ محمدیہ عربیہ رائیدرگ میں تدریس پر متعین ہوئے ،اس وقت جامعہ اپنے آزمائشی دور سے نکل کر ترقی کی جانب سفر کر رہا تھا کہ سابق ناظم جامعہ مولانا سید محمد عباس حامیؔ عمری رحمۃ اللہ علیہ کی ناگہانی موت نے جامعہ کو یتیم کر دیا تھا، آپ ۷/ستمبر ۱۹۷۶ء مطابق ۱۲/رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ کو پچاس سال کی عمر میں مختصر سی علالت کے بعد حرکت قلب بند ہونے سے انتقال کر گئے۔اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ ؎

کل بھی اس مقام پہ اتنی ہی دھوپ تھی
لیکن وہاں ایک شجر سایہ دار تھا

اس شجر سایہ دار کے گرتے ہی جامعہ پر اور خود حضرت مولانا سید محمد عباس حامیؔ عمری رحمۃ اللہ علیہ کے خانوادے پر کیا کیا بیتی، ہوسکتا ہے کہ اکثر لوگ بھول چکے ہوں ،لیکن ہم جیسے نمک خوارانِ جامعہ کو ؎

ہمیں یاد ہے سب ذرا ذرا
تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

اس پر آشوب دور میں استاذ محترم حضرت مولانا عبد الغنی سیفی عمری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا عبد الباسط صاحب ریاضی حفظہ اللہ اور حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب عمری رحمۃ اللہ علیہ، حافظ عبد الرزاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور

جناب حسین پیراں صاحب سابق ہیڈ ماسٹر محمدیہ ہائی اسکول اور دیگر بہی خواہانِ جامعہ کی بے لوث خدمات آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں، ہمیں یاد ہے کہ جامعہ میں اس وقت تک چولہا نہیں سلگتا تھا کہ جب تک اول الذکر تینوں حضرات عصر سے لے کر عشاء تک حصول امداد کے لیے شہر کے مختلف مقامات کا چکر نہ لگاتے اور جمعہ کے دن اطراف واکناف میں خطبۂ جمعہ کے بعد لوگوں سے تعاون نہ اکٹھا کرتے، اس دوران کئی مرتبہ خطبۂ جمعہ کے ساتھ چندہ کرنے کے لیے راقم کو بھی مختلف قریوں میں جانے کا اتفاق ہوا۔

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالبؔ
تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں

پھر جامعہ کے مینجر کی ذمہ داری حضرت مولانا سید محمد عباس حامیؔ عمری رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند اکبر جناب سید امیر حمزہ حفظہ اللہ پر ڈالی گئی اور وہی جامعہ کے کھیون ہار بنے اور مرحوم نے بھی ان حوصلہ شکن حالات، ہوش رُبا مصائب اور آفات کی تیز آندھیوں میں مذکورہ بالا اساتذۂ جامعہ و بہی خوارانِ مدرسہ کے تعاون سے جامعہ کے چراغ کو جلائے رکھا۔

خونِ دل دے کے نکھاریں گے رخِ برگِ گلاب
ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

اس وقت راقم الحروف غالبًا چھٹی جماعت میں پڑھتا تھا، اور وہ بھی تقریبا سال کا آخر تھا، بنا بریں اس سال آپ سے کوئی کتاب نہیں پڑھ سکا، آپ کے حالات زندگی لکھنے کے لیے احقر کو اپنی زندگی کے تقریباً ۴۲ ربیالیس یا ۴۳ رتتالیس سال پہلے کی ورق گردانی کرنی پڑے گی۔

غزل اس نے چھیڑی مجھے ساز دینا
ذرا عمرِ رفتہ کو آواز دینا

البتہ ساتویں جماعت میں دو کتابیں "المعلقات السبع" جو سبع معلقات کے نام سے معروف ہے اور "دلائل الاعجاز" آپ سے پڑھیں، چونکہ آپ دیگر اساتذہ کے مقابلے میں سب سے کم عمر، غیر شادی شدہ اور راقم سے نو دس سال کے بڑے تھے، اس وجہ سے آپ سے وہ تکلف نہیں رہا جو دیگر اساتذۂ کرام سے تھا، پورے ادب واحترام کے ساتھ یہ بے تکلفی آخر تک برقرار رہی، سبع معلقات میں اِمراء القیس الکندی، جو الملک الضلیل کے نام سے معروف تھا، کا معلقہ سب سے زیادہ چٹ پٹا تھا اور اس سے زیادہ دلچسپ آپ کا طریقۂ تدریس تھا، اِمراء القیس کے چُلبلے اشعار کے ساتھ، مولانا کی زبانی، مرزا غالب جیسے اردو کے بعض

دبنگ اور تیکھے شعراء کے اشعار، سونے پر سہاگے کا کام کرتے تھے، احقر کو بھی بچپن سے شعراء وشاعری سے ایک گونہ دلچسپی رہی ہے، میں بھی اپنی یادداشت کچھ اشعار پیش کرتا، جس پر مولانا کُھل کر داد دیتے اور تحسین فرماتے، غرض کہ کلاس کا ماحول عام اساتذہ کی کلاسوں کی طرح، باادب، باملاحظہ، ہشیار باش کی طرح سنجیدہ نہیں، بلکہ زعفران زار رہتا، گھنٹی کب ختم ہوتی پتہ ہی نہیں چلتا، اسی طرح دلائل الاعجاز کی گھنٹی بھی رہتی۔

یادش بخیر! میرے کلاس فیلو جناب مولوی محمد اسماعیل خان بن باشوخان جامعی سلفی رحمۃ اللہ علیہ تھے، جو میرے ہی شہر پلی ویندلہ سے تعلق رکھتے تھے، جامعہ سے فراغت کے بعد جامعہ سلفیہ بنارس میں بھی ساتھی رہے، فراغت کے بعد واچ ریپرنگ کا کام سیکھا، کچھ سال تک اسی کو ذریعۂ معاش بنایا، چند سالوں کے بعد شوگر کی وجہ سے انکی نظر انتہائی کمزور ہوگئی اور پھر عالم جوانی میں ہی وہ وفات پا گئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

مرحوم نے اِمرء القیس کے کچھ اشعار کو یاد کر رکھا تھا، جسے وہ اپنے ہم عمر دوستوں کو ترجمے کے ساتھ مزے لے لے کر سنایا کرتے تھے، کئی رائیدرگی نوجوان انہیں سننے کے لیے بےخودی میں ان کے پاس چلے آتے اور ان اشعار کو سن کر سر دُھنتے تھے، خیر آغاز جوانی کے یہ ایام اتنے حسین تھے کہ۔

وہ دن جب یاد آتے ہیں کلیجہ منہ کو آتا ہے

آٹھویں جماعت میں احقر نے آپ سے امام ابن رُشد رحمۃ اللہ علیہ کی بدایۃ المجتہد پڑھی، جس کی خوشگوار یادیں آج بھی پھولوں کی طرح دل میں بسی ہوئی ہیں، کسی خشک مضمون کو اپنے طریقۂ تدریس سے خوش گوار مضمون میں بدلنا، کسی کسی استاد کا ہی فن ہوتا ہے اور یہ ہر ایک کی بس کا روگ بھی نہیں ہوتا، اسی طرح جامعہ سلفیہ بنارس کے بعض سینئر طلبہ سے میں نے سنا کہ مولانا ابوعبیدہ بنارسی رحمۃ اللہ علیہ جو جامعہ سلفیہ کے بزرگ ترین استاذ تھے، جب وہ علم عروض جیسا خشک ترین مضمون پڑھاتے، تو اپنے طریقۂ تدریس اور دل چسپ اشعار سے سب سے زیادہ دلچسپ مضمون بنا دیتے، مثلاً:

مُسکرا کر فاعلاتن مار ڈالا فاعلاتن جان سے فاعلات

ہاں مری جاں فاعلاتن پھر اسی فاعلاتن انداز سے فاعلات

مسکرا کر مار ڈالا جان سے

ہاں مری جاں پھر اسی انداز سے

جب میں نے یہ سنا تو ہنستے ہوئے کہا کہ یہ شعر تو "بحر مفعولاتن" سے ملتا ہے، نہ کہ فاعلاتن سے، مولانا ابو

عبیدہ عمر رسیدہ ہونے کے باوجود اس طرح کے اشعار سے اپنے خشک موضوع میں جان ڈال دیا کرتے تھے۔

دیکھ کر بزم میں ساق ان کی گوری گوری
شرم سے شمع ہوئی جاتی ہے تھوڑی تھوڑی

طلباء میں مقبولیت: اللہ تعالیٰ نے آپ کو طلباء اور اساتذہ میں بے پناہ مقبولیت سے نوازا تھا، طلباء عموماً اساتذہ کی شکایت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، لیکن دور طالب علمی میں، میں نے کسی طالب علم کو کبھی آپ کی کوئی شکایت کرتے ہوئے نہیں پایا، اس کا سبب آپ کے اخلاق حسنہ، طلباء کے ساتھ ہمدردی کا رویہ، سبق یاد نہ کرنے پر طلبہ کو زدوکوب کرنے سے پرہیز اور کھیل کود میں طلباء کے ساتھ شریک ہونا تھا، آپ سے پہلے اور بعد میں چٹر کی کے کچھ لوگ مدرس ہوئے، لیکن ان میں سے کوئی بھی طلباء میں وہ مقبولیت حاصل نہیں کرسکا، جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی، بلکہ ان میں بعض تو ایسے تھے کہ ان کے برے برتاؤ کی وجہ سے طلباء کی اکثریت ان سے نفرت کرتی تھی، اگرچہ کہ ان میں سے بعض نے مدینہ یونیورسٹی سے بھی فراغت حاصل کی، لیکن اسکے باوجود انہیں اپنی کجروفطرت کی وجہ سے اپنے دائرۂ کار میں بھی عوام کی پذیرائی حاصل نہیں ہوسکی۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

طلباء بعد نمازِ عصر تا مغرب، جامعہ کے گراؤنڈ میں والی بال کھیلتے تھے، جس میں احقر بھی شامل رہتا، اساتذہ کرام مولانا محمد حنیف عمری کے علاوہ حضرت مولانا عبدالباسط صاحب ریاضی حفظہ اللہ بھی ضرور شامل رہتے اور بڑے ہی جی جان سے کھیلتے، طلباء میں میرے کلاس فیلو مولوی محمد اسماعیل خان مرحوم کھیل کی جان ہوتے، بڑی ہی کدوکاوش سے کھیلتے اور اپنی ساری طاقتیں میچ جیتنے کے لیے لگا دیتے، اگر سوئے قسمت کبھی میچ ہار جاتے تو اس قدر غمزدہ ہوجاتے گویا کہ ساری دنیا ہی لٹ گئی ہے، اگر ہمارے مفتیان کا گروہ، کوئی فتویٰ نہ جڑ دے تو ایک بات بتاؤں کہ طلباء بعض اوقات میچ کو دلچسپ بنانے کیلیے اس میں بطور شرط کے کچھ رقم لگا دیتے، وہ اس طرح کہ ہر کھلاڑی سے ۵۰/ پیسے، یا زیادہ سے زیادہ ایک روپیہ وصول کیا جاتا، دونوں گروپ کی رقم ملا کر کُل ۶ یا ۱۲/ روپئے ہوتی، جو گروپ جیتتا وہ اس رقم کو اپنے قبضے میں کر لیتا اور اس سے اتنا خوش ہوتا گویا ساری دنیا کی خوشیاں اسکی جھولی میں آ گری ہوں، اس میں ہمارے یہ دونوں معزز اساتذہ بھی برابر کے شریک ہوتے، بلکہ مولانا محمد حنیف صاحب، جن کا عنفوانِ شباب جوبن

پر تھا، کسی نٹ کھٹ شریر لڑکے کی طرح چوکڑیاں بھر بھر کے کھیلتے اور یہ بالکل بھول جاتے کہ وہ اپنے طلباء کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

کا سماں رہتا اور آپ کی یہ ادا طلباء کو بہت بھاتی تھی، بلکہ اگر اساتذہ، مخالف گروپ میں ہوتے تو یہ سٹوڈنٹس، اپنے ٹیچرس کو ہرانے کے لیے سارے داؤ پیچ آزماتے، ایسا لگتا کہ وہ کھیل نہ ہو بلکہ پانی پت کی چوتھی جنگ ہو اور اگر اس میں کامیاب ہوجاتے تو ایسے خوش ہوتے گویا انہوں نے درّۂ خیبر کو فتح کرلیا ہے، افسوس! یہ یادیں، یہ باتیں، یہ ہنسنا ہنسانا، یہ کھیل اور کھلونے ،لڑنا جھگڑنا اور پھر باہم شیر و شکر ہوجانا اور بیتے ہوئے خوشگوار ایام، شاید ہی زندگی میں کبھی واپس لوٹیں۔

کچھ نہیں چاہتا تجھ سے اے میری عمرِ رواں
میرا بچپن میرے جگنو میری گڑیا لا دے
اسیرِ پنجۂ عہدِ شباب کر کے مجھے
کہاں گیا میرا بچپن خراب کر کے مجھے

۱۹۸۱ء میں جامعہ محمدیہ رائیدرگ سے فراغت کے بعد ماہ جون یا جولائی میں اساتذۂ کرام کے مشورے پر جامعہ سلفیہ بنارس چلا گیا، پھر جب ۱۹۸۲ء کے جامعہ کے سالانہ جلسے میں شرکت کیلیے بنارس سے رفیقِ محترم مولانا عبد الغنی جامعی آلوری کے اصرار پر انکے شہر دوانگیرہ اور گاؤں آلور سے ہوتا ہوا رائیدرگ پہنچا تو پتہ چلا کہ مولانا محمد حنیف صاحب عمری حفظہ اللہ، جامعہ چھوڑ کر اپنے علاقے میں ہی گورنمنٹ ملازمت پر بحیثیت مدرس متعین ہوچکے ہیں، یہ سن کر کچھ غم ہوا کہ ایک اچھے استاد جامعہ میں نہیں رہے اور خوشی اس بات کی ہوئی چلو حکومتی وظیفہ ہے، آئندہ زندگی خوشحالی میں گزرے گی، کیونکہ اسباب جو بھی رہے ہوں ان سے قطع نظر، اس وقت جامعہ محمدیہ رائیدرگ میں حکومتی ملازمت کا خواب دیکھنا بھی جنون ہی تھا۔

ایں خیال است و محال است و جنون

جامعہ سلفیہ بنارس سے فراغت اور کئی جگہ کی ملازمت اور پھر کویت آمد نے کبھی مولانا سے ملاقات یا خط و کتابت کا موقعہ ہی نہیں دیا، یا اپنی پریشانی اور خانہ بدوشانہ زندگی نے کبھی ادھر توجہ کرنے کی فرصت ہی نہیں دی۔

آپ کے کچھ اہم شاگرد: جامعہ میں تدریس کے دوران راقم الحروف کے علاوہ سینکڑوں طلباء نے آپ سے کسبِ فیض کیا، جن میں کچھ اہم شاگرد، جو آگے چل کر کئی نسلوں کے مربّی بھی بنے وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ مولانا عبدالقدیر جامعی سلفی: وظیفہ یاب ہیڈ ماسٹر نور النبی عربک کالج بیجاپور، کرناٹک

۲۔ مولانا عبدالغنی جامعی سلفی آلوری: عربک لیکچرر حضرت بلال عربک کالج تالیکوٹ، ضلع بیجاپور، کرناٹک

۳۔ مولانا عبدالرحیم جامعی مندیوال: پرنسپل حضرت بلال عربک کالج تالیکوٹ، ضلع بیجاپور، کرناٹک

۴۔ مولانا عبدالقادر جامعی: مدرس دار الہدیٰ عربک سکول ہنچال، ضلع بیجاپور، کرناٹک

۵۔ مولانا کے عبدالمالک جامعی رائیدرگی: ہیڈ ماسٹر عربک ہائی سکول، مدھول ضلع باگل کوٹ، کرناٹک

۶۔ مولانا ایوب ادریس جامعی مرحوم: مدرس محمدیہ عربک سکول گوڈلی، سرسی، کرناٹک

۷۔ مولانا عبدالشہید جامعی سلفی: مدرس محمدیہ عربک سکول گوڈلی، سرسی، کرناٹک

۸۔ مولانا محمد عمر جامعی: (چھاؤنی) عربک لیکچرر حضرت بلال عربک کالج تالیکوٹ، ضلع بیجاپور، کرناٹک

۹۔ مولانا سعود احمد جامعی اکّی آلوری: استاذ مدرسہ فاطمہ الزہراء ہرپن ہلی، کرناٹک

۱۰۔ مولانا عبدالرزاق جامعی اکّی آلوری۔ داعی ومبلغ جمعیت اہلحدیث ہبلی، کرناٹک

۱۱۔ مولانا عثمان غنی جامعی نالتواڑی: ہیڈ ماسٹر انجمن عربک سکول باگی واڑی، ضلع بیجاپور، کرناٹک

۱۲۔ مولانا ٹی۔ عبدالرحمن جامعی بن خلیفہ پیراں صاحب: معاون مدرس درگاہ ہائی سکول، ملکالمرو، ضلع چتر ادرگہ

۱۳۔ مولانا سید محمد عمر جامعی (داونگیرہ): ہیڈ ماسٹر نور النبی عربک کالج بیجاپور، کرناٹک

۱۴۔ مولانا جواد احمد جامعی سگری: امام وخطیب مسجد انس بن مالک، گلبرگہ، کرناٹک

۱۵۔ مولانا محمد عمر جامعی (ہلگندہ): سرپرست مجلس علماء کوڈلگی، ضلع بلہاری، کرناٹک

۱۶۔ مولانا حافظ نور محمد جامعی (کرکندہ): امام وخطیب مسجد محبوب الرحمن نندی کٹکور، ضلع کرنول، آندھرا

۱۷۔ مولانا جمال الدین جامعی سلفی: ویم پلّی، کڑپہ، آندھرا

۱۸۔ مولانا حفیظ اللہ آلوری جامعی: ایم۔اے۔ عربی ٹیچر، ڈوڈ بالاپور، بنگلور

۱۹۔ مولانا رحمت اللہ جامعی (نائک نہٹّی): حکیم وسفیر جامعہ

ان کے علاوہ کئی آپ کے شاگردان ہیں جنہوں نے میدان دعوت وتبلیغ، صحافت وخطابت، درس و تدریس اور افتاء وارشاد میں کارہائے نمایاں انجام دیا اور دے رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں میں برکت عطا فرمائے اور انہیں آپ کے لیے باقیات الصالحات بنائے۔ آمین۔

مولانا سے ایک یادگار ملاقات: یادش بخیر! ۲۰۱۰ء کے اواخر میں میری بڑی دختر، عظمیٰ انور کی شادی، میرے اپنے بھانجے عبدالغفار سے، جو کہ کویت کی شرکۃ البرکات الذھبیہ میں، آئل فیلڈ میں کام کرتا تھا، ہونا طے پائی، چونکہ یہ سارا پروگرام عجلت میں طے ہوا تھا، جس کی وجہ سے کئی اہم لوگوں کو با قاعدہ دعوت نہیں دی جاسکی، تاہم جامعہ کے اساتذۂ کرام اور احباب جماعت نے استاذِ محترم حضرت مولانا عبدالباسط صاحب ریاضی حفظہ اللہ کی سرکردگی میں شرکت فرمائی اور برادر محترم مولانا عبدالوہاب جامعی حفظہ اللہ نے بھی بلہاری بیت المال کے ذمہ داران محترم حاجی محمد یونس صاحب ومحترم حاجی عبدالحمید صاحب کی معیت میں تشریف لائے، اس میں سب سے بڑی نعمت غیر مترقبہ مجھے استاذِ محترم مولانا محمد حنیف صاحب حفظہ اللہ کی تشریف آوری سے حاصل ہوئی، جو دوقدیم رفقاء، محترم مولانا عبدالغنی جامعی سلفی اور مولانا عبدالرحیم جامعی مندیوال اور دیگر احباب پر مشتمل ایک وفد کے ساتھ بیجاپور سے ایک لمبا سفر طے کرکے پردوٹور تشریف لائے، ایک لمبے عرصے بعد استاذ محترم اور دوقدیم ساتھیوں سے ملاقات کرکے کافی خوشی ہوئی، جزاہم اللہ خیر الجزاء، لیکن افسوس کہ شادی کے ہنگامے میں ان معزز مہمانوں کی خدمت جس طرح ہونی چاہئے تھی وہ ہونہ سکی۔

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اس کا پہلا سبب تو شادی کا انتظام وانصرام تھا اور دوسرا سبب میری چھ سات سالہ بیٹی بشریٰ کا ہسپتال میں ایڈمیٹ ہونا تھا، جب وہ پہلی مرتبہ کویت آئی تو اسے شوگر کا مرض لاحق ہوا، عین شادی سے دودن پہلے اسکی طبیعت اس قدر بگڑی کہ پردوٹور کے ڈاکٹروں نے جواب دے دیا، کڑپہ لیجایا گیا تو وہاں کے شوگر سپیشلسٹ نے تروپتی لے جانے کا مشورہ دیا، میں نے ڈاکٹر سے کہا کہ: ڈاکٹر صاحب! تروپتی لیجانے تک بچی بچے گی یا نہیں، اس کی کوئی گیارنٹی نہیں، بہتر یہ ہے کہ آپ خود علاج کریں، اس نے اس شرط پر اسے اپنے ہسپتال میں شریک کیا کہ اگر کوئی انہونی ہوگئی تو اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہوگی، میں نے کہا: یہ مجھے منظور ہے، پھر کڑپہ والے ڈاکٹر نے تروپتی کے ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق علاج شروع کیا، شاید علاج سے زیادہ ایک دکھی باپ کی دعاؤں اور ماں کی تڑپ اور آنسوؤں کا اثر تھا کہ پورے بیس گھنٹے کے بعد بچی خطرے سے باہر نکل گئی۔ **الحمد للہ الذی بنعمته تتم الصالحات۔**

وہ وقت میرے لیے کس قدر کربناک تھا، میں الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا، اسی حالت میں، میں نے خطبۂ جمعہ دیا، لوگوں سے اسی طرح ملاقاتیں کیں، جس طرح نارمل حالات میں کرتا تھا، میری اہلیہ، جمعہ کی صبح

سے بچی کے ساتھ کڑپہ میں ہسپتال میں تھی اور میں اکیلا ہی ہفتہ کی شام سے شادی خانہ میں مہمانوں کا استقبال کررہا تھا، رشتہ دار اسے تلاش کرتے پھر رہے تھے اور میں انہیں تفصیلات بتائے بغیر کہہ رہا تھا کہ وہ آہی رہی ہوگی۔ اسی درمیان میں نے استاد محترم مولانا محمد حنیف صاحب، مولانا عبدالباسط صاحب اور مولانا عبدالوہاب جامعی اور انکے ہمراہ آئے ہوئے وفود کا استقبال کیا، انہیں عشائیے سے فارغ کرانے کے بعد، ان کے قیام کا بندوبست کیا، جب کہ عالم یہ تھا کہ غم سے دل پھٹا جارہا تھا، لیکن فطری انا نے ظاہر پر قابو کررکھا تھا، چہرے پر جھوٹی مسکراہٹ سجائے ہراک سے ہنس ہنس کر باتیں اور استقبال کررہا تھا، جب کہ حقیقت یہ تھی کہ مجھے خود اپنے آپ پر ترس آرہا تھا، کبھی کبھی لوگوں سے دور، گوشۂ تنہائی میں جاکر اپنی بے بسی پر دو چار آنسو بہالیتا، بقول عربی شاعر۔

كَمْ مِنْ بَاسِمٍ وَالْحُزْنُ يَمْلأُ قَلْبَهُ
وَالنَّاسُ تَحْسَبُ أَنَّهُ مَسْرُوْرُ
وَ تَرَاهُ فِيْ جَبْرِ الْخَوَاطِرِ سَاعِيًا
وَ فُؤَادُهُ مُتَصَدِّعٌ وَّ مَكْسُوْرُ

کتنے ہی مسکرانے والے ایسے ہیں، جن کا دل غم سے لبریز رہتا ہے اور لوگ انہیں فرحاں وشاداں سمجھتے ہیں، جبکہ وہ دوسروں کے دلوں کے مداوا میں لگے ہوتے ہیں، حالانکہ ان کا دل غم سے پھٹ کر ریزہ ریزہ رہتا ہے۔

شاید اللہ تعالیٰ کو بھی میری حالت زار پر ترس آ گیا، رات کے گیارہ بجے میری بیوی نے ڈاکٹر سے درخواست کی کہ صبح میں میری بیٹی کا نکاح ہے، اگر آپ اجازت دیں تو میں چند گھنٹوں کے لیے بچی کو لے کر پردوٹور جاؤں؟ شاید ڈاکٹر کے دل میں بھی اللہ نے رحم ڈال دیا، اس نے گلوکوز کا بوتل چڑھا کر اور چند بوتل ساتھ دے کر، یہ ہدایت دی کہ اسی حالت میں بچی کو لیکر جائیں اور جب بوتل ختم ہوتو دوسری بوتل میں یہ یہ انجکشن ملا کر چڑھاتے رہیں، غرض یہ کہ ہفتہ کی رات بارہ بجے میری اہلیہ، بذریعۂ کار بچی کو لے کر آئی، اس موقعہ پر ان دونوں کو شادی خانے میں آتے ہوئے دیکھ کر، مجھے جو خوشی حاصل ہوئی، واللہ باللہ تاللہ، شاید ہی زندگی میں اس طرح کی کوئی خوشی کبھی نصیب ہوئی ہو۔ **الحمد للہ علی ذلك۔**

وہ ساری رات، صبح ناشتے کا پکوان اور تقریباً دو ڈھائی ہزار مہمانوں کے ظہرانے کی تیاری میں مشغول رہا، یہ وہ حالات تھے جس میں مولانا موصوف اور ان کے وفد کی، میری دانست میں وہ خاطر و

مدارات نہیں ہوسکی جو ہونی چاہئے تھی ، بعد نکاح ، ظہرانے سے فراغت کے بعد فوراً آپ اپنے وفد کے ساتھ واپس لوٹ گئے ، جس کی وجہ سے مولانا سے فرصت سے بیٹھ کر کچھ باتیں کرنے کا بھی موقعہ نہیں ملا ، جس کا مجھے سدا افسوس رہے گا۔

حضرت بلال عربک کالج تالیکوٹ میں سرکاری ملازمت:

۱۹۸۲ء سے ۲۰ر جون ۲۰۱۵ء تک (کل مدت ملازمت ۳۳ر سال)

تالیکوٹ کا تاریخی میدان: تالیکوٹ ، بیجاپور سے شمال مشرق کی جانب ۸۰ر کیلومیٹر یا ۵۰ر میل کے فاصلے پر واقع ہے ، اس تاریخی بستی میں مولانا محمد حنیف عمری حفظہ اللہ نے اپنی زندگی کے ۳۳ر سال حضرت بلال عربک کالج میں تدریسی خدمت کرتے ہوئے گزارا اور وہیں سے آپ وظیفہ یاب بھی ہوئے۔شاید یہ بستی جس کی تاریخی حیثیت سے بہت ہی کم لوگ واقف ہوں گے ، اسی کے دامن میں سولہویں صدی میں ایک عظیم معرکتہ الآراء جنگ لڑی گئی ، جس میں کامیابی یا ناکامی کے اثرات آئندہ جنوبی ہندوستان میں مسلمانوں کی بقا ، یا فنا پر مرتب ہونے والے تھے ، اس وقت جنوبی ہند میں ایک کٹّر ہندو حکومت سلطنت وجیانگر VIJYA NAGAR SAMRAT قائم تھی جو مسلمانوں کی سخت ترین معاند اور اسلام کے اثر ونفوذ روکنے کے لیے ایک آہنی دیوار بنی ہوئی تھی ، جس کا دار السلطنت کرناٹک میں ہاسپیٹ کے قریب VIJYA NAGAR تھا ، جسے آج کل ہمپی Humpi کہا جاتا ہے ، ہمپی جسے دیکھنے کیلیے آج بھی روزانہ سینکڑوں یورپی سیاح آتے اور اس پر اپنی تحقیقات اہل دنیا کے سامنے پیش کرتے رہتے ہیں ، ۱۴۰۰ء میں جب کہ سلطنت وجیانگر کے راجا دیو رائے کی لڑکی کی شادی بہمنی سلطان فیروز شاہ سے ہوئی تھی تو کچھ مسلمان خاندانوں نے بہمنی سلطنت سے نقل مکانی کر کے اضلاع بلاری ، کڑپہ اور جنوب کے دیگر مقامات پر بود وباش اختیار کر لی اور ان میں سے کچھ سلطنت وجیانگر کے فوجی ملازم ہو گئے ، لیکن راجا سری کرشنا دیورائے نے اپنی دور حکومت (۱۵۰۹ء۔۱۵۲۹ء) میں ان تمام مسلمانوں کو اپنی سلطنت سے جلا وطن کر دیا ، بلکہ ان پر انسانیت سوز مظالم بھی ڈھائے ، جس کی وجہ سے مسلمانوں کا غصہ سلطنت وجیانگر پر اپنے انتہاء کو پہنچ گیا ، جس کا نتیجہ بالآخر تالیکوٹ کی جنگ ۱۵۶۵ء کی شکل میں ظاہر ہوا ، جس میں ایک طرف سلطنت وجیانگر کا مہاراجہ رام راجا ، اور جنوبی ہند کے دیگر تمام ہندو راجے ومہاراجے تھے اور دوسری جانب جنوب کی تمام مسلم ریاستیں ، قطب شاہی سلطنت گولکنڈہ ، عادل شاہی سلطنت بیجاپور ، برید شاہی سلطنت بیدر ، عماد شاہی

سلطنت براراور نظام شاہی سلطنت احمد نگر تھی ، یہ ایک خونریز، معرکتہ الآراء اور فیصلہ کن جنگ تھی ،جس میں مسلم ریاستوں نے شاندار فتح حاصل کی اور سلطنت وجیا نگر تاش کے پتوں کی طرح بکھر گئی ، اس کا دارالسلطنت اس بری طرح تہس نہس ہوا کہ پھر کبھی آباد نہیں ہوسکا ، اس کے کھنڈرات اور منادر آج بھی اس کی عظمت رفتہ کو بیان کررہے ہیں اور اس کا مہاراجہ رام راجا اس جنگ میں قتل ہوا اور اس کی سلطنت، مسلم فاتحین کے درمیان تقسیم ہوگئی ، مہاراجا کا خاندان ضلع چتور (CHITTOOR) میں چندرگری (CHANDRAGIRI) بھاگ کر ایک راجا کے پاس پناہ گزین ہوگیا، جسے جلد ہی مسلم نوابوں نے فتح کر کے اپنی سلطنت کا حصہ بنالیا۔

تالی کوٹ میں تبلیغی کاوشیں: ۱۹۸۲ء کو حضرت بلال عربک کالج تالی کوٹ میں نیم سرکاری ملازمت پر مامور ہونے کے بعد، کالج کی نشونما اور ترقی ، نصابی کتابوں کی فراہمی اور بورڈ امتحانات کی تیاری وغیرہ میں آپ نے انتھک محنت اور بے مثال کوششیں کیں، اس لیے کہ وہ ایک نیا ادارہ تھا، اور آپ اس کے اوّلین اساتذہ میں سے ایک تھے، اس تاریخی شہر میں اپنی ۳۳ ر سالہ تدریسی مشغولیات کے باوجود آپ نے کبھی دینی فرضِ منصبی سے غفلت نہیں برتی ، مقامی دینی تنظیموں اور سر برآوردہ شخصیات کے علاوہ عوام الناس میں دینی بیداری پیدا کرنے اور مسلم معاشرہ کی اصلاح میں سرگرم رہے، شہر کی جامع مسجد میں دس سال تک خطبات جمعہ دینے کے علاوہ موقعہ بہ موقع دروس قرآن وحدیث دیتے رہے، مقامی افراد جماعت اور دینی تنظیموں سے مل کر کئی اجلاس عام کیے اور ان میں موقع ومحل اور موسم کی مناسبت سے خطابات فرماتے رہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ سے متعلق شہر کی جامع مسجد میں کئی سال درس دیا، جس میں آپ نے شہرہ آفاق مصنف وسیرت نگار مولانا صفی الرحمن مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ کی رابطہ عالم اسلامی سے ایوارڈ پائی ہوئی مشہور زمانہ کتاب الرحیق المختوم کا بالاستیعاب درس دیا، خصوصا نوجوانوں میں دینی بیداری پیدا کرنے کے لیے بڑی کاوشیں انجام دیں، مقامی علماء کے علاوہ مختلف مقامات سے مشہور علماء وخطباء کو ہفتہ یا مہینہ میں ایک بار مدعو کیا جاتا اور مختلف گلیوں میں دینی اور اصلاحی پروگرام منعقد کیے جاتے ، جن میں آپ کے برادر مکرم مولانا محبوب الرحمن صاحب عمری مدنی کو بار بار زحمت دی جاتی ، آپ بھی تبلیغ دین کی خاطر للہ فی اللہ سفری صعوبتوں کو برداشت کرتے ہوئے چلے آتے اور رات گیارہ بارہ بجے تک وعظ و نصیحت فرماتے ، جس سے لوگوں کا دینی اشتیاق برابر جاری بلکہ بڑھتا رہتا۔ ان اجتماعات کے انعقاد

میں مولانا موصوف کے علاوہ مولانا عبدالجبار صاحب عمری ،مولانا شاکر حسین صاحب قاسمی ،مولانا سعد الدین صاحب قاسمی ، حافظ فضل الحق گرگاؤں ،مولانا عبدالقدیر جامعی اور مولانا محمد عمر جامعی کی خدمات قابل ذکر ہیں، ہنگامی اور موسمی حالات کے تحت بھی مساجد ،گلیوں اور شاہراہوں میں دینی جلسوں کا انعقاد کیا جاتا۔ جیسے: سیرت کے پروگرام، بدعات وخرافات محرم، استقبال رمضان، سیرت ابراہیمی اور عید قربان وغیرہ۔

مسجد اہل حدیث تالیکوٹ کی تعمیر: ایک اہم کام جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات سے لیا، وہ ہے تالی کوٹ میں مسجد اہل حدیث کی تعمیر۔ تالی کوٹ میں جماعت اہل حدیث کی کوئی مسجد نہیں تھی ،آپ نے اس کی تعمیر کے لیے کوششیں شروع کردیں ،جس میں آپ کے دوش بدوش حضرت بلال عربک کالج میں تدریسی خدمات پر مامور آپ کے قابل شاگردان: مولانا عبدالرحیم جامعی ،مولانا عبدالغنی جامعی آلوری، مولانا محمد عمر چھاؤنی جامعی اور مولانا عبدالقیوم جامعی کے علاوہ محی الدین صاحب نگارچی اور جناب دستگیر صاحب (پٹھان جناب) جیسے متحرک و فعال نوجوانوں کی خدمات ناقابل فراموش ہیں، بقول مجروحؔ سلطانپوری ؎

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

۲۰۰۱ء سے ۲۰۰۴ء تک اہل حدیث احباب ایک عارضی مسجد میں نماز پڑھتے رہے، پھر ۰۷-۲۰۰۶ میں مولانا عبدالوہاب جامعی حفظہ اللہ کی سفارش اور نگرانی میں بیت المال بلہاری کے تعاون سے لب سڑک ایک خوب صورت مسجد محمدیہ تعمیر کی گئی ،جس میں آپ وظیفہ یابی تک خطبات جمعہ برابر دیتے رہے، اس کے علاوہ اطراف واکناف میں جہاں کہیں جماعت اہل حدیث موجود ہے، جیسے: کنّور، مُدّے بہال، مُدگل، باگے واڑی، دیورہپّر گی اور سندگی وغیرہ، وہاں بوقت ضرورت یا دینی ودعوتی پروگراموں میں جب بھی آپ کو مدعو کیا تو ضرور تشریف لے جاتے۔

شادی اور آل واولاد: مولانا موصوف کی شادی رائیدرگ سے مغرب کی جانب آٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک چھوٹے سے شہر ملکال مُرو ضلع چتر درگ میں جناب نور اللہ صاحب کی دختر نیک اختر نسیم النساء سے ہوئی ،جن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو چار اولاد عطا فرمائی:

۱۔ اشفاق الرحمن۔ ڈپلوما سِول۔ (Bsc)

۲۔ جہاں آراء تسنیم (Bed Bsc) بڑے فرزند اور بڑی دختر دونوں کی شادیاں ہو چکی ہیں اور وہ بحمد للہ صاحب اولاد ہیں۔

۳۔ خالد امین BAMS آیورویدک میڈیکل کے آخری مراحل میں ہیں۔

۴۔ فوزیہ BUMS یونانی میڈیکل تعلیم کے آخری مراحل میں ہیں۔

اور زندگی چلی گئی: زندگی کی شاہراہ پر آپ کو کئی سنگلاخ وادیوں اور خوفناک جنگلوں سے گزرنا پڑا، کبھی فقر و فاقہ کبھی کم مائیگی نے گھر میں ڈیرے ڈالے، لیکن ہر موڑ اور ہر قدم پر ہمیشہ رفیقۂ حیات نے آپ کا ساتھ دیا، حوصلہ بڑھایا، اپنے حصے کی خوشیاں آپکی جھولی میں ڈال دیں اور آپ کے حصے کا غم اور آنسو اپنے دوپٹے میں چھپالیا، اگر وہ اپنے بچوں کے لیے ایک شجر سایہ دار تھیں تو اس سے بڑھ کر آپ کیلیے سب کچھ تھیں، ان کے جانے کے ساتھ ہی گویا آپکے گھر سے پیار کی پالکی چلی گئی، اپنا ہمدم، ہم سفر، ہم نوا اور ہم قدم کے بچھڑنے کے بعد آپ کیسا محسوس کرر ہے ہیں؟ خود آپ کے الفاظ میں ہی پڑھیے: ان کے جانے کے بعد لگتا ہے کہ آج ہم بے آسرا ہو گئے، چھت نہیں رہی، زندگی کی سردی، گرمی اور بارش کے بے رحم حملوں سے بچانے والا کوئی نہیں، ۳۷/سالہ طویل رفاقت کے بعد اچانک یوں داغِ مفارقت دے جانا کوئی معمولی حادثہ نہیں، یوں سمجھ لیں کہ آج بھی زندہ ہوں لیکن زندگی کے بغیر، اگر جی رہا ہوں تو بس مرحومہ کی ہی نصیحتوں پر عمل کرر ہا ہوں، کہا کرتی تھیں: راحت اور آسائشوں میں تو کوئی بھی جی لیتا ہے، اصل جینا تو دکھوں، مصیبتوں اور تنگ دستی میں جینا ہے، پھر ۱۰/ مارچ ۲۰۲۱ء کی صبح ۹:۱۵/ بجے SDM ہسپتال دھارواڑ میں مجھے وصیت کی کہ: اب میرے جانے کا وقت آ گیا ہے، چاروں بچے ہمارے تھے۔ اب صرف آپ کے ہیں۔ ان کا خیال رکھنا۔ ہسپتال کے بیڈ پر آج وہ بڑی پرسکون لگ رہی تھیں، وہاں میرے چاروں بچے، مرحومہ کی والدہ، ان کے چھوٹے بھائی اور بڑے داماد مصطفی موجود تھے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ہونٹوں پر سورہ فاتحہ اور تینوں قل کی تلاوت جاری ہوگئی، پھر کلمۂ شہادت کا ورد کرتے ہوئے قفسِ عنصری سے روح پرواز کرگئی۔ إنا للہ و إنا إلیہ راجعون۔ اللہ انہیں جنت الفردوس اُعلی علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔

اس کے ساتھ ہی چاروں بچے دھاڑیں مارتے ہوئے اپنی ماں سے لپٹ گئے، لیکن ان کی مادر مہرباں انہیں چھوڑ کر ایسی جگہ پہنچ چکی تھیں، جہاں جانے والے کبھی لوٹ کر نہیں آتے، بچے زبان حال سے کہہ رہے تھے۔

عمر بھر تری محبت میری خدمت گر رہی
میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تُو چل بسی

سچ ہے، جب دنیا میں آئے ہیں تو یہ سب غم سہنے ہی پڑیں گے۔ رب العالمین کی مرضی کے آگے سوائے صبر وشکر کے چارہ ہی کیا ہے، اس پالنہار کے فیصلوں پر بندۂ مومن نہ گلہ کرتا ہے نہ شکوہ، بلکہ صمیم قلب سے راضی برضا رہتا ہے اور یہی موقف مولانا موصوف کا تھا کہ: ﴿قُل لَّن يُّصِيبَنَآ إِلَّا مَا كَتَبَ اللهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰنَا ۚ وَعَلَى اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ۝٥١﴾ [التوبة: ٥١] کہہ دیں کہ ہمیں وہی پہنچے گا جو اللہ نے ہماری قسمت میں لکھ رکھا ہے۔ وہی ہمارا آقا ہے اور مومنوں کو اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے۔

خوشی کے ساتھ دنیا میں ہزاروں غم بھی ہوتے ہیں
جہاں بجتی ہے شہنائی وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں

وَ بَلَدَةٌ لَيَسَ بِهَا أَنَيَسٌ
إِلَّا الْيَعَافِيرُ وَ الْعِيَسُ

عامر بن حارث اپنے اس شعر میں کہتا ہے کہ: جس شہر میں کوئی ہمدم وہمنوا نہ ہو، وہاں انسان نہیں بلکہ ہرن اور اونٹ بستے ہیں، گویا جہاں کوئی رفیق نہیں وہ شہر نہیں بلکہ ویران جنگل و بیابان ہے۔

وفات کے فوراً بعد یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح ہر طرف پھیل گئی، سب سے پہلے رفیق محترم مولانا عبد المالک جامعی رائیدرگی (مدھول) نے فون کر کے مجھے اس حادثۂ فاجعہ کی خبر دی، میں نے استاذِ محترم سے رابطہ کرنے کی بار بار کوشش کی، لیکن زندگی کے سب سے بڑے اس سانحے نے آپ کے دل و دماغ کو جو صدمہ پہنچایا ہوگا، اس کا مجھے احساس تھا۔ میں نے مولانا کے واٹس اپ پر کچھ تعزیتی کلمات لکھ کر روانہ کردیا اور پھر اَبنائے جامعہ محمدیہ رائیدرگ کے گروپ میں مولانا محترم کے متعلق اپنے جذبات، خیالات اور احساسات کا اظہار کیا اور اسے دیگر گروپوں میں بھی شیئر کیا۔ جسے آپ نے کئی دنوں بعد دیکھا اور ان تعریفی الفاظ میں اس دور افتادہ کے متعلق اپنی محبت کا اظہار فرمایا: ایسے حادثۂ فاجعہ کے موقعہ پر بھی آپ نے اپنے گمنام وخامل الذکر استاذ کی دل بستگی ودل جوئی کی غرض سے ہزاروں میل دور کویت سے تعزیتی کلمات کے ذریعے سنبھالا دیا اور اس غم والم میں شریک ہوکر اپنی انسانیت، اُخوت اور اخلاص کا ثبوت دیا۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء فی الدارین۔

استاد، چاہے چھوٹے ہوں یا بڑے، وہ انسان کے سب سے بڑے محسن ہوتے ہیں، غالبا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے: مَنْ تَعَلَّمْتُ مِنْهُ حَرْفًا إِلَّا كُنْتُ لَهُ عَبْدًا مَمْلُوكًا إِلىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ کہ جس سے میں نے ایک حرف بھی سیکھا تو قیامت تک کے لیے اس کا زرخرید غلام ہوگیا۔

یہ نیازمندی صرف استاذِ محترم مولانا محمد حنیف عمری حفظہ اللہ کے لیے ہی نہیں، بلکہ ان تمام اساتذہ کے لیے بھی ہے جن سے راقم نے زندگی میں کچھ علم حاصل کیا ہے، چاہے وہ تدریس کے ذریعے سے ہو یا استفادہ سے۔

اللہ تعالیٰ استاذ محترم کا سایہ تادیر ہم تمام پر قائم رکھے، آپ کی زندگی، علم وعمل، مال ودولت اور دنیا و آخرت میں برکت عطا فرمائے، آپ کی زندہ دلی شگفتہ مزاجی کو تاحیات برقرار رکھے اور آنے والی اور آئی ہوئی ہر آفت تکلیف، مصیبت اور بیماری سے آپ کی اور آپ کے گلشن کی حفاظت کرے۔

خدا کرے فضا یونہی یہ خواب جاگتے رہیں
یہ خوشبوئیں جواں رہیں گلاب جاگتے رہیں

آمین یارب العالمین وما ذلك على الله بعزیز۔ إن شاء الله

رشحات قلم (صفحات: ۱۸۰)

مؤلف: مولانا عبدالباسط جامعی ریاضی ناشر: جمعیت ابنائے قدیم جامعہ محمدیہ عربیہ، رائیدرگ

تقسیم میراث کا آسان طریقہ (صفحات: ۶۴)

مؤلف: مولانا عبدالباسط جامعی ریاضی ناشر: خلیفہ اکیڈمی، رائیدرگ

ملنے کا پتہ:

جامعہ محمدیہ عربیہ، کنیکل روڈ، رائیدرگ۔ ۵۱۵۸۶۵

ضلع اننت پور، آندھراپردیش، انڈیا۔

رابطہ نمبر: 9533448071

جامعہ کے لیل ونہار

شیخ وسیم قاضی جامعی مدنی

مدیر اعزازی

نئے تعلیمی سال کا آغاز: تعلیمی تقویم کے مطابق تعلیمی سال ۲۲۔۲۰۲۱ء کا آغاز ۲۴/مئی ۲۰۲۱ء بروز پیر مقرر تھا، مگر کرونا وبا کی کثرت کے باعث ملک میں لاک ڈاؤن نافذ ہونے کی وجہ سے طلبہ کو وقت مقررہ پر جامعہ آنے سے منع کر دیا گیا۔

آن لائن جدید داخلے: موجودہ وباء کی وجہ سے جہاں زندگی کے اکثر شعبے متاثر ہوئے، وہیں تعلیم وتعلم کا عمل شدید طور پر متاثر رہا، گھریلو معاشی مسائل کو لے کر بعض طلبہ تعلیمی سلسلے کو منقطع کر کے محنت ومزدوری اور تجارت وکاروبار سے منسلک ہو گئے اور بعض مدارس وجامعات کے کھلنے کا انتظار کرتے رہے، گزشتہ سال سے اکثر مدارس وجامعات میں تعلیم وتعلم اور درس وتدریس کا سلسلہ معطل رہا، بعض مدارس نے "مالا یدرك كله لا يترك جله" کے تحت آن لائن تعلیم کا اہتمام کیا۔

الحمدللہ گزشتہ سال لاک ڈاؤن میں جامعہ میں ماہ جولائی تا جنوری آن لائن تعلیم کا اہتمام کیا گیا، حالات پرامن ہو جانے کے بعد یکم فروری ۲۰۲۱م سے بتدریج مرحلہ وار تمام طلبہ کو جامعہ بلا لیا گیا، جامعہ میں طلبہ کے آنے کے بعد دو ماہ مسلسل تعلیم ہوئی اور حسب سابق تمام نشاطات پورے اہتمام کے ساتھ شروع کر دیے گئے، سالانہ امتحان وسالانہ اجلاس ہوا، جس میں دو سال کے ۴۷/فارغین کو سند فضیلت اور ۹/حفاظ کو سند حفظ قرآن مجید سے نوازا گیا، اجلاس میں طلبہ کے سالنامہ السلسبیل کا اجراء عمل میں آیا، یہ سب اللہ رب العالمین کی نصرت اور توفیق سے ہوا اور تمام شعبوں میں اساتذہ کا پرخلوص تعاون شامل حال رہا۔

"فللہ الحمد والمنۃ"

امسال طالبان علوم نبوت کی تعلیمی فکر کو لے کر جامعہ نے بلا تاخیر شعبۂ حفظ وناظرہ اور جماعت اولیٰ تا سادسہ کے لیے آن لائن جدید داخلہ کا اعلان سوشل میڈیا پر نشر کر دیا، اعلان داخلہ کے بعد داخلہ کے امیدوار طلبہ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، ہر طرف سے تشنگان علوم دینیہ کے فون آنے شروع ہو گئے، الحمدللہ مقررہ جماعتوں میں اطمنان بخش داخلے ہوئے۔

آن لائن تعلیم کا آغاز: داخلہ کارروائی اور نظام الاوقات کی ترتیب وتنسیق کے بعد زوم ایپ کے ذریعے درس وتدریس کا باقاعدہ آغاز ہوگیا، مقامی طلبہ یومیہ براہ راست جامعہ پہنچ کر استفادہ کرتے رہے۔

پہلا تعلیمی جائزہ (ٹیسٹ): مکمل ایک ماہ کی مسلسل تعلیم کے بعد تعطیل عید الاضحیٰ سے قبل تمام مادوں کا اساتذہ نے انفرادی طور اپنی اپنی گھنٹیوں میں ٹیسٹ لیا۔

تعطیل عید الاضحیٰ: جامعہ کے تعلیمی کلینڈر کے مطابق مؤرخہ ۱۷رجولائی ۲۰۲۱ء بروز ہفتہ تا ۲۹رجولائی ۲۰۲۱ء بروز جمعرات عید الاضحیٰ کی مناسبت سے تعطیل کا اعلان کیا گیا۔

آغاز تعلیم: تعطیل عید الاضحیٰ کے بعد حسب اعلان مؤرخہ ۳۱رجولائی ۲۰۲۱ء بروز ہفتہ تمام طلبہ کی آن لائن تعلیم کا آغاز ہوا (الحمد للہ)، اللہ کرے کہ بہت جلد اس وباء کا خاتمہ ہو اور حالات مکمل پُر امن ہو جائیں تاکہ طلبہ کے لیے جامعہ کے در و بام دوبارہ کھل سکیں اور پرسکون و پر کیف ماحول میں تمام نشاطات جاری ہوں۔

"وما ذلك على الله بعزيز وهو ولي التوفيق"

دوماھی مجلہ الرشد کا اجراء: اساتذۂ جامعہ کی دیرینہ خواہش تھی کہ دیگر جامعات کی طرح جامعہ کا بھی کوئی صحافتی ترجمان ہو جس میں اساتذہ اپنی قلمی صلاحیتوں کو جلا بخشیں اور صحافتی میدان میں خدمت کر سکیں، لہٰذا امسال تعلیمی سال کے آغاز میں محترم ناظم جامعہ کے ساتھ اساتذہ کی پہلی میٹنگ منعقد ہوئی جس میں سبھوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ کم از کم ابتدائی مرحلے میں بشکل پی۔ڈی۔ایف۔(PDF) دوماہی مجلہ کا اجراء ہو جسے ترتیب وتزئین کے بعد سوشل میڈیا پر نشر کر دیا جائے اور ہر شمارہ جامعہ کے ویب سائٹ پر محفوظ کیا جائے، الحمد للہ منصوبے کے مطابق اس کا پہلا شمارہ منظر عام پر آیا جو آپ کے زیر مطالعہ ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے خیر وخوبی کے ساتھ قائم رکھے، جملہ معاونین کی کوششوں کو قبول فرمائے اور ہر میدان میں جامعہ کو ترقی عطا فرمائے۔ آمین۔

Vol. No. 1 Issue No. 1 Aug. - Sept. 2021

(Two Monthly)

Ar-Rushd

JAMIA MOHAMMADIA ARABIA

Kanekal Road, **RAYADURG - 515 865.** Anantapur Dist. (A.P.) India.
Contact : +91 9533448071, +91 9347967042, +91 8688872122.
email: arrushd1443@gmail.com - website: www.jamiamohammadia.org.

Royal PRINTERS 9440323880